بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ستاون ویں یومِ آزادی پر

اقوامِ مغرب کے اعصاب پر صدیوں تک شخصی حکومت کا عفریت اور نظامِ کلیسا (تھیا کریسی) کا بھوت سوار رہا۔ انہوں نے بالآخر تنگ آ کر ان کے پنجۂ فولاد سے اپنے آپ کو چھڑایا تو ان کی جگہ ایک اور نظامِ حکومت کی طرح ڈالی، جسے انہوں نے جمہوریت کہہ کر پکارا۔ اس نظام کی پیدا کردہ خوش فہمیوں کی کیفیت یہ تھی کہ انہوں نے ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا کہ ابنِ آدم جس جنت سے نکالا گیا تھا، انہوں نے اس کا سراغ پھر سے پالیا ہے، اور اب انسانی اقتدار کے ہاتھوں کا ستایا ہوا انسان فردوس بداماں زندگی بسر کرے گا۔ جس میں یہ کسی کا محکوم نہیں ہوگا۔ جمہوریت وہ نظامِ حکومت ہے جس میں سب مل کر اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق حکومت قائم کرتے ہیں۔ یہی وہ نظام ہے جس میں انسانیت حقیقی آزادی سے ہمکنار ہوگی۔

اقوامِ مغرب، اور ان کی اندھی تقلید میں دنیا کی دوسری قومیں، اس دریافت پر جشنِ مسرت منا رہی تھیں۔ لیکن خطۂ پنجاب کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا ایک دانشور، جس کی بصیرت نے قندیلِ آسمانی سے اکتسابِ ضیاء کیا تھا، زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔ جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ میں ان فریب خوردہ قوموں کی اس سادہ لوحی پر محوِ حیرت ہوں جو اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تُو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

اور اس کے بعد اس نے بآوازِ بلند کہا کہ

اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تُو
آہ اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تُو

سُننے والوں نے اسے سنا اور ایک شاعر کا تخیل کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ لیکن اس نئے نظام کا تجربہ کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اس کے نتائج کو دیکھ کر خود مغرب کے اہلِ فکر و نظر چلا اٹھے اور انہوں نے پکار پکار کر کہنا شروع کر دیا کہ ہم پھر مبتلائے فریب ہو گئے۔ یہ نظام تو

سابقہ نظاموں سے بھی زیادہ مستبد اور گلو گیر ہے۔ (مثلاً) لندن یونیورسٹی کے پروفیسر ایلفر ڈ کوبن نے اپنی کتاب (The Crisis of Civilization) میں نظامِ جمہوریت پر کڑی تنقید کی اور بحث کو سمٹاتے ہوئے لکھا کہ:

> ہم اپنی دلیل کو دو فقروں میں سمیٹ دیتے ہیں۔ ڈیما کریسی کا اصول بتایا یہ جاتا ہے کہ اس میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمومی منشاء اپنا مستقل وجود رکھتا ہے۔ اس نظریہ کو صحیح تسلیم کرنے کا منطقی نتیجہ آمریت ہے۔ تاریخ شروع سے آخر تک یہی بتاتی ہے۔

پروفیسر کوبن کا مطلب یہ ہے کہ جسے عوام کا منشاء کہہ کر لوگوں کو فریب دیا جاتا ہے وہ درحقیقت برسر اقتدار طبقہ کی آمریت ہوتی ہے۔ اس میں جو شخص یا جو گروہ کسی طرح اکثریت حاصل کر لے اس کے اختیارات حدود فراموش ہو جاتے ہیں۔ جنہیں کوئی طاقت چیلنج نہیں کر سکتی۔ اسی کو ڈکٹیٹرشپ یا آمریت کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> اس نظریہ کو اگر بنظرِ امعان دیکھا جائے تو ''عوام کے اقتدارِ اعلیٰ'' کا فریب نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ اگر سیاست کو نظری حیثیت سے نہیں، عملی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حاکم اور محکوم کو ایک ہی تصور کرنا عملی ناممکنات میں سے ہے۔ حاکم اور محکوم کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ یہ سمجھ لینا کہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اسٹیٹ کو بدترین قسم کی آزادیٔ اختیارات دے دیتا ہے۔

انہی خطوط پر ایک اور مفکر (Rene Guenn) لکھتا ہے:

> اگر لفظِ جمہوریت کی تعریف یہ ہے کہ لوگ خود اپنی حکومت آپ قائم کریں، تو یہ ایک ایسی چیز کا نام ہے جس کا وجود ناممکنات سے ہے، اور جو نہ کبھی پہلے وجود میں آئی ہے اور نہ آج کہیں موجود ہے۔ ایسا کہنا ہی جمع بین النقیضین ہے کہ ایک ہی قوم بیک وقت حاکم بھی ہو اور محکوم بھی..... حاکم اور محکوم کا تعلق دو الگ الگ عناصر کے وجود کا متقاضی ہے۔ اگر حاکم نہیں تو محکوم بھی نہیں۔ ہماری موجودہ دنیا میں جو لوگ کسی نہ کسی طرح قوت اور اقتدار حاصل کر لیتے ہیں، ان کی سب سے بڑی کامیابی اس میں ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں عقیدہ قائم کر دیں کہ ان پر کوئی حاکم نہیں، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر حاکم ہیں۔ عام رائے دہندگی کا اصول اسی فریب دہی کی خاطر وضع کیا گیا ہے۔ اس اصول کی رو سے سمجھا یہ جاتا ہے کہ قانون، اکثریت کی مرضی سے وضع ہوتا ہے اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اکثریت کی یہ مرضی ایک ایسی شے ہے جسے نہایت آسانی سے ایک خاص رخ پر بھی لگایا جا سکتا ہے، اور بدلا بھی جا سکتا ہے۔

(The Crisis of the Modern World)

اسی طرح ایک اور مفکر (H.J. Mencken) کہتا ہے:

> تمام ناکامیوں میں سب سے بڑی ناکامی خود انسان کی ہے۔ اس انسان کی جو سب سے زیادہ مدنی الطبع حیوان اور

سب سے زیادہ عقل مند ہے اور وہ ناکامی یہ ہے کہ یہ اپنے لئے آج تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں کر سکا جسے دور سے بھی اچھی حکومت کہا جا سکے۔ اس نے اس باب میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ بہت سی ایسی جو فی الواقع محیر العقول ہیں اور بہت سی ایسی، جو بڑی جرأت آزما تھیں۔ لیکن جب ان کی عملاً تنفیذ کا وقت آیا تو نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نظری طور پر حکومت کا خاکہ کھینچ لینا اور بات ہے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنا اور بات۔ نظری طور پر حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ افراد مملکت کی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے اور اربابِ حکومت پبلک کے خادم ہیں۔ لیکن درحقیقت حکومت کا فریضہ پبلک کی خدمت نہیں، بلکہ سلب و نہب ہوتا ہے.....اس باب میں مختلف اسالیب حکومت میں سب سے زیادہ ناکام نظام جمہوریت رہا ہے۔ جمہوری نظام کے ارباب حل وعقد خوب جانتے ہیں کہ حکومت کی بنیاد معقولیت پر ہونی چاہئے لیکن ان کا جذبۂ محرکہ کبھی معقولیت پسند نہیں ہوتا۔

(Treatise on Right and Wrong)

یہ ہے وہ آخری نظام، جسے فکر انسانی وضع کر سکا ہے اور جسے جنت ارضی قرار دیا جاتا ہے۔ آپ کہیں گے کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا علاج ہے قرآن کا سیاسی نظام۔ اس نظام کی تفاصیل کتنی ہی طول طویل کیوں نہ ہو، اس کے اساسی اصول نہایت مختصر ہیں۔ یعنی:

(۱) اس کا (Constitution) کسی انسان کا مرتب کردہ نہیں، خدا کا عطا فرمودہ ہے۔ یعنی خدا کی کتاب۔

(۲) یہ (Constitution) ہر لحاظ سے مکمل ہے اور کسی کو حق حاصل نہیں کہ اس میں کسی قسم کا حک و اضافہ یا تغیر و تبدل کر سکے۔ (6:116)

(۳) اس کے احکام کا اطلاق تمام افراد پر یکساں ہوتا ہے اور بڑی سے بڑی شخصیت بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں پا سکتی۔ چنانچہ اور تو اور، خود حضور رسالتمآب ﷺ نے بھی (ارشاد خداوندی کی رو سے) اعلان کر دیا کہ اگر میں بھی اس کی خلاف ورزی کروں تو اس کے مواخذہ سے نہیں بچ سکتا۔ (10:15)

(۴) جو قانون بھی اس کے خلاف ہو اسے آئینی سند حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ خود اس آئین میں یہ شق موجود ہے کہ جو شخص بھی اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ (5:44)

(۵) عدالتیں بھی اس کی پابند ہوں گی کہ وہ انہی قوانین کی رو سے مقدمات کے فیصلے کریں جو اس آئین کے مطابق ہوں۔ (7:159)

(۶) امت کی مجلس مشاورت (پارلیمان) اس آئین کے اصولوں کو عملی شکل دینے کے لئے جزئی قوانین مرتب کرنے کی مجاز ہوگی۔ لیکن ان قوانین کے اعلان سے پہلے ہی سرزد شدہ کسی جرم پر ان کا اطلاق نہیں ہوگا۔ (5:95)

یہ ہیں مختصر الفاظ میں اسلامی نظام کے دستور کے اساسی اصول۔ جو شخص اس نظام کے دائرے میں داخل ہونا چاہے گا' اسے یہ آئین دکھا دیا جائے گا۔ اگر وہ اسے اپنے لئے قابل قبول سمجھے گا تو اس نظام کے تابع آ جائے گا۔ اگر ایسا نہیں سمجھے گا تو وہ اس کے حدود سے باہر رہے گا۔ آپ سوچئے کہ جو شخص اس طرح اس دستور کو قبول کرے گا اسے کس قدر محکم ضمانت حاصل ہو جائے گی کہ اگر میں نے اس آئین کی خلاف ورزی نہ کی تو کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گی' نہ ہی اسے اس قسم کا خدشہ ہوگا کہ نہ معلوم کل کو اس دستور میں کیا کیا تبدیلیاں کر دی جائیں۔ اس لئے کہ یہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہے گا۔

غور کیجئے کہ اس آئین کے تابع آ جانے والوں کی زندگی کس قدر خوف اور حزن سے مامون ہو جائے گی۔۔ اور انہیں کس قدر قلبی اطمینان اور ذہنی سکون حاصل ہوگا۔ آپ نے غور فرمایا کہ قرآنی نظام اور فکر انسانی کے وضع کردہ نظاموں میں کیا فرق ہے۔ کیا فکر انسانی کا وضع کردہ کوئی نظام اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ کسی قوم کی اس سے بڑی حرماں نصیبی اور بدبختی کیا ہوگی کہ وہ اس قسم کا آئین اپنے ہاں رکھتے ہوئے انسانوں کے وضع کردہ دساتیر کو اپنے لئے ضابطۂ حیات بنائے اور اسی سے آپ اس کا بھی اندازہ لگا لیجئے کہ جو لوگ مغربی جمہوریت کو عین اسلام قرار دیتے ہیں وہ کس قدر فریب میں رہتے یا دوسروں کو فریب دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی سیاست' جمہوریت نہیں' قرآنی دستور ہے۔ آج ہم ستاونواں یومِ آزادی منانے جا رہے ہیں لیکن اس حقیقت کو مُلا سمجھنے کے لئے تیار ہے نہ مسٹر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

بیوروکریسی

یہ لفظ اور اس کا (غلط العوام ترجمہ) ''نوکر شاہی'' آپ نے سینکڑوں بار پڑھا اور سنا ہوگا لیکن اس کے مفہوم یا مطلوب پر کم غور کیا ہوگا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی نئی مشین باہر سے آتی ہے تو اس کے ساتھ ایک پمفلٹ ہوتا ہے جس میں اس مشین کے کل پرزوں کی تفصیل درج ہوتی ہے اور یہ بتایا گیا ہوتا ہے کہ مشین میں فلاں نقص پیدا ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ اس مشین کا آپریٹر اس مشین کو چلاتا رہتا ہے اور اگر اس میں کوئی نقص پیدا ہو جائے تو جھٹ سے پمفلٹ کھول کر متعلقہ ہدایات کا مطالعہ کرتا اور ان کے مطابق مشین کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اس سارے عمل میں ایک بات قابل غور ہے اور وہ یہ کہ ایسا کرتے وقت اس کا صرف دماغ کام کرتا ہے۔ اس کے دل کا اس سے کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔ دل کا واسطہ انسانوں سے ہوتا ہے' مشینوں سے نہیں۔

مغرب کی مادہ پرستی (Materialism) سے جب تصور حیات میں تبدیلی آئی تو اس کی رو سے انسانوں کو بھی مشینیں تصور کر لیا گیا۔ اسے کہتے ہی (Mechanical Concept of Life) ہیں۔ اس سے انسانوں کے (Human Beings) ہونے کا تصور ختم ہو گیا اور ان کے معاملات کا حل اسی طریق سے سوچا جانے لگا جس طریق سے کسی مشین کا نقص دور کیا جاتا ہے۔ اس طریق کی رو سے انہوں نے حکومتی نظم و نسق کے لئے بھی کچھ قواعد و ضوابط منضبط کئے اور ان کے پمفلٹ متعلقہ شعبوں میں بانٹ دیئے۔ منتظمہ کے کارپردازوں کو ان قواعد و ضوابط کی تعلیم دی گئی اور انہیں سمجھا دیا گیا کہ جو مسئلہ (Case) ان کے سامنے آئے اس کے متعلق دیکھ لیا جائے کہ' اس پمفلٹ میں کیا لکھا ہے۔ اس کے مطابق اس معاملہ کا تصفیہ کر دیا جائے اور ایسا کرنے میں کسی انسانی تقاضا کو دخل انداز نہ ہونے دیا جائے۔ ان انسانوں کو مشین سمجھا جائے اور اپنے آپ کو مشین کا آپریٹر۔ اس نظام حکومت کو بیوروکریسی کہا جاتا ہے۔ یعنی ''میزوں کی حکومت'' (اس لفظ کے بنیادی معنی یہی ہیں)۔ فائلوں کی حکومت۔ کاغذوں کی حکومت۔ اس نظام حکومت میں سب سے زیادہ قابل۔ دیانت دار۔ ذمہ دار۔ معتمد علیہ افسر' اسے سمجھا جاتا ہے جو متعلقہ افراد کو انسان سمجھے بغیر' انکے معاملات کا متعلقہ قواعد و ضوابط کے مطابق فیصلہ کر دے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اسے بھی اس کا اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے فرائض کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کر دیا' اور افسران بالا بھی اس کی فرض شناسی کی تعریف کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو اس سے واسطہ نہیں ہوتا کہ اس سے انسانیت پر کیا بیتی؟ یہ گوشہ ان کی ذمہ

داری کے احاطہ ہی میں نہیں ہوتا۔

بیوروکریٹ اس نظام کو اس لئے گلے سے لگائے رکھتے ہیں کہ اس میں انہیں نہ معاملات کے فیصلہ میں چنداں کاوش کرنی پڑتی ہے، نہ اس کے عواقب کی کوئی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ جب وہ متنازعہ امور کا فیصلہ متعلقہ قواعد وضوابط کی رو سے (میکانکی طور پر) کر دیتے ہیں تو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ یہ خلش انہیں ستاتی ہی نہیں کہ اس سے ''انسانیت'' پر کیا گذری ہے؟

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار لگے، درمیاں رہے

آج ہمارا معاشرہ جس اضطراب پیہم کی آماجگاہ بن رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں انسانی معاملات کا فیصلہ قواعد وضوابط کے مطابق، دیانتدارانہ طور پر کیا جاتا ہے، وہاں انسانی تقاضوں (Human-consideration) کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا..... وہاں ترجیح ''فارمز کے پر کرنے'' کو دی جاتی ہے، انسانی زندگی کو نہیں اور جہاں ان ضوابط میں لچک پیدا کی جاتی ہے تو اس کا جذبۂ محرکہ ذاتی مفادات (رشوت ستانی اور بدعنوانی) ہوتا ہے۔ نتیجہ دونوں کا کرب واضطراب اور عدم سکون واطمینان ہوتا ہے۔

☆☆☆

ان لوگوں کی یہ ذہنیت اور یہ انداز عمل، ان کی سرکاری زندگی تک ہی محدود نہیں رہتا۔ رفتہ رفتہ یہ ان کی فطرت ثانیہ بن جاتا ہے۔ معاشرتی زندگی کا کوئی گوشہ ہو، ان کے تعلقات اور روابط یکسر مشینی بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان میں انسانی حسیّات کی رعایت یا جذبات کی لطافت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ ان کے گھر کی زندگی بھی ''بابو آنہ'' بن کر رہ جاتی ہے۔ آپ نے کھانے پینے کی بعض درآمدی چیزوں پر لکھا دیکھا ہوگا:

(Un-Touched by Hand During Manufacture)

ان کے بنانے میں ہاتھ کو نہیں چھونے دیا گیا۔

ان حضرات کی زندگی بھی کچھ ایسی ہی ہو جاتی ہے۔ یہ بالکل (Robots) مشینی انسان بن کر رہ جاتے ہیں۔(۱) جب خود اپنے بال بچوں کے ساتھ ان کا رویہ اس قسم کا مشینی ہو، تو دوسرے انسانوں کے ساتھ ان کے برتاؤ میں لوچ کیسے آ سکے گی۔ اقبالؔ نے کہا تھا کہ

بملازمان سلطاں خبرے دہم زرازے
کہ جہاں تواں گرفتن بنوائے دلگدازے

''نوائے دل گداز'' سے یہ آشنا ہی نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ''جہاں گیری'' تو ایک طرف، جب یہ کرسی چھوڑ کر ریٹائر ہوتے ہیں تو انہیں معاشرہ میں ایک بھی ہمنوا نہیں ملتا۔ یہ ''یوسفِ بے کارواں'' کی طرح اکیلے پھرتے رہتے ہیں۔

انہیں وقت گزارنے کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا۔ قفس کے خوگر پرندے کی طرح اٹھتے ہیں تو دفتروں کا رخ کر لیتے ہیں لیکن وہاں کی فضا ایسی بدلی ہوئی پاتے ہیں کہ پہلے برآمدے میں ان کے پاؤں کی آہٹ پا کر بابو لوگ کمرے کے اندر اپنی نشستوں سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور اب کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کمروں کے اندر جاتے ہیں تو کوئی کرسی تک کی پیش کش نہیں کرتا۔ یونہی جھوٹی ہنسی کے ساتھ کبھی اس کے پاس کبھی اس کے پاس کھڑے ہو کر واپس آ جاتے ہیں۔ میر تقیؔ نے غالباً انہی کے متعلق کہا تھا کہ

ترے کوچے ہر بہانے یوں ہی دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا!

اس سے کہیں زیادہ عبرت انگیز اور قابل رحم ان کی ایک اور حالت

(۱) ان میں مستثنیات بھی ہوتے ہیں جو اس جہانِ سنگ وخشت میں ذوقِ لطیف اور حسیّات انسانی کو برقرار رکھتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں انہیں کس قدر مشقت اٹھانی پڑتی ہے اس کا اندازہ باہر کا آدمی کم لگا سکتا ہے۔

ہوتی ہے۔ ریٹائر ہوتے ہیں تو ''فتوحاتِ بالائی'' کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور جو پنشن ملتی ہے' وہ تنخواہ کے نصف سے بھی کم ہوتی ہے' لیکن پنشن اسی دن نہیں مل جاتی اسے منظور کرانے کے لئے دنوں مہینوں سالوں تک دفتروں کے چکر لگانے پڑتے ہیں اور وہاں کے مشینی انسان ان کی حالتِ زار پر کبھی ترس نہیں کھاتے۔ بعض تو انہیں چکروں کے راستے عدم آباد تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ہر ایک سے شکایت ہی نہیں فریاد کرتے ہیں کہ پنشن سے متعلق دفاتر کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے انسان نہیں پتھر کے بت ہیں جنہیں اس کا قطعاً خیال نہیں آتا کہ مجھ پر اور میرے بال بچوں پر کیا گزر رہی ہے۔

ایسا کہتے وقت انہیں قطعاً یاد نہیں رہتا کہ کل تک وہ بھی انہیں کرسیوں پر پتھر بن کر بیٹھے رہتے تھے اور انہیں بھی کسی کے حال زار پر ترس نہیں آتا تھا۔ وہ ہر غرض مند کو یہ کہہ کر دھتکار دیتے تھے کہ میں قواعد وضوابط کے ہاتھوں مجبور ہوں۔

مذہب میں مشینی عمل

مذہب کی دنیا میں پہنچ کر یہ رسوم پرستی اور ہی گل کھلاتی ہے۔ الدین زندگی کے حدود متعین کرتا ہے جن کے اندر رہتے ہوئے فرد کو فکر وعمل کی آزادی ہوتی ہے۔ اس کے لئے اسے اپنے لئے آپ فیصلہ کرنا اور اس فیصلے کی ذمہ داری قبول کرنا ہوتا ہے۔ اسے دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ ان مقاصد کی سمت ایک قدم ہے جسے الدین نے متعین کیا ہے۔ اور وہ مقصد ہے۔ مـا یـنـفـع الـنـاس..... (13:17) ''جو نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہو''۔ اس سے اس فرد کی ذات میں بھی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے' اور اس کے معاشرہ میں بھی نکھار پیدا ہوتا ہے۔ لیکن مذہب میں اس کی آزادی اور خود فیصلہ لینے کی صلاحیت کو کچل کر رکھ دیا جاتا ہے۔ آپ فقہ کی کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھئے۔ اس میں انسان کے ایک ایک قدم کے لئے متعین ''شرعی احکام'' منضبط ملیں گے۔ بیٹھو اس طرح۔ اٹھو اس طرح۔ چلو اس طرح۔ سوؤ اس طرح۔ کھاؤ اس طرح۔ پیو اس طرح۔ غسل اس طرح کرو۔ بیت الخلاء میں یوں جاؤ۔ حتیٰ کہ اس میں میاں بیوی کے جنسی اختلاط کے لئے بھی قواعد و ضوابط ہوں گے۔ ان قواعد وضوابط کی پابندی میکانکی طور پر کی جائے گی کیونکہ ان سے مقصد' ان کی پابندی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ جو شخص جتنا زیادہ ان احکام کا پابند ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ عـبـوسـاً قـمـطـریـراً..... قسم کی چوبِ خشک بن جائے گا جس میں انسانی زندگی کی لوچ اور لچک کا شائبہ تک نہیں ہوگا۔ دہلی میں ایک بہت بڑے مفتی صاحب تھے۔ ان کی بدنصیب بیوی اکثر بیمار رہتی تھی۔ وہ ایک دن اس سے کہہ رہے تھے کہ نکاح نامہ کی رو سے تمہارا نان و نفقہ تو میرے ذمے ہے' علاج معالجہ نہیں۔ اس کے لئے تمہیں اپنے ماں باپ سے کہنا ہوگا۔ اس قسم کی بن جاتی ہے ''فطرت'' ان لوگوں کی جو احکامِ شریعت کی پابندی اس طرح کرتے ہیں۔ پھر چونکہ یہ اپنے آپ کو بے حد متقی اور پرہیز گار سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان میں بے حد تکبر اور نخوت پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ساری دنیا سے خفا رہتے اور دوسروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں' کیونکہ وہ ان کی نگاہ میں فاسق و فاجر' جہنم کے کندے ہوتے ہیں۔ اس سے وہ عجیب قسم کی مخلوق بن جاتے ہیں جن میں نہ زندگی کی لطافت ہوتی ہے' نہ انسانیت کی لچک۔ بیوروکریٹک کی طرح ان کی بھی اپنی الگ برادری ہوتی ہے۔ جس طرح ان کے ہاں (D.F.A) اور (P.U.C) کے سوا کوئی موضوع گفتگو نہیں ہوتا' ان کے ہاں بھی ساری زندگی ''مکروہ اور مباح'' کی بحثوں میں سمٹ اور سمٹا کر رہ جاتی ہے۔ اور ان کے فتوؤں میں انسانی زندگی کہیں بار نہیں پاتی۔ یہ انسان نہیں' قرآن کے الفاظ میں ''خـشـب مـسـنـده'' بن کر رہ جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب)

القرآن العظیم

(آج سے کچھ عرصہ پہلے تک آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے دینی مکاتب و مدارس اور مساجد و منابر سے ہمیشہ فقہ اور احادیث، قصص و آثار اور تاریخ و سیر کے چرچے ہوتے رہتے تھے اور قرآن کا نام اس طرح تبرکاً لے لیا جاتا تھا جس طرح خطوط کے اوپر ۷۸۶ (غیر شعوری طور پر) تبرکاً لکھ لیا جاتا ہے۔ طلوع اسلام نے ۱۹۳۸ء میں قرآن کی دائمی مکمل اور غیر متبدل تعلیم کی آواز بلند کی اور بتوفیقِ ایزدی وہ دن بدن آگے بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ آج اس کے اثر کا یہ عالم ہے کہ خود ان گوشوں سے بھی جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے قرآن کی محکمیت اور اکملیت کے اعلانات ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ الحمدللہ علیٰ ذلک۔ اس کی ایک شہادت زیرِ نظر مضمون بہم پہنچاتا ہے۔ صاحب مضمون قاری محمد طیب صاحب صدر مہتمم مدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند تھے۔ جہاں کے فارغ التحصیل طلباء کو قرآن کا جتنا علم ہوتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہ کتنا بڑا انقلاب ہے کہ اس دیوبند کے مہتمم صاحب کی طرف سے اس کے ماہنامہ ''دارالعلوم'' میں قرآن کی عظمت کا اس طرح اعتراف کیا جائے۔ ہم قابل مبارکباد سمجھتے ہیں دیوبند کے مجلّہ ''دارالعلوم'' کو جس کے شکریہ کے ساتھ طلوع اسلام اپنی روش کے خلاف اس مضمون کو نقل کرتا ہے۔ خدا کرے کہ پاکستان کے کسی مکتب یا مسجد سے بھی قرآن کی آواز بلند ہونا شروع ہو جائے۔)

[طلوع اسلام]

قوموں اور ملتوں کی تعمیر یادگاروں اور مجسموں سے نہیں ہوتی بلکہ لٹریچر اور مدون شدہ علمی ذخیروں سے ہوتی ہے۔ لٹریچر میں اس قوم کے مخصوص ذہنی جذبات کی محرک تعبیریں مرقوم ہوتی ہیں اور جوں ہی دماغ ان لکیروں سے گذرتا ہے ووں ہی اس میں متعلقہ جذبات بیدار ہو کر قوائے عمل کو برانگیختہ کر دیتے ہیں اور قوم کے فکر و عمل کا ایک مخصوص خاکہ تیار ہو جاتا ہے جس سے یہ قوم اپنا وجود پا لیتی ہے۔ اور اقوام کے جمگھٹے میں اپنے انہی مخصوص افکار و اعمال کے ذریعے ایک امتیازی وجود کے ساتھ موجود ہو جاتی ہے۔ مثلاً

ہندو قوم کا ایک خاص کلچر اور خاص رنگ کی ایک تہذیب ہے، لیکن یہ تہذیب ان کی تعمیری یادگاروں اور مجسموں جیسے اشوک کی لاٹ، اِلُوراء کے غار، ایجنٹا کی مورتیوں اور سومنات کے مندر وغیرہ سے نہیں بنی، کہ ہندو قوم کا بننا اور بگڑنا ان چیزوں کے ہونے نہ ہونے پر موقوف نہیں۔ اس قوم کو جو چیز سنبھالے ہوئے ہے وہ مہابھارت، گیتا اور شاستر، پُران وغیرہ کا لٹریچر ہے جو انکی تہذیب و ثقافت کی تعبیر ہے اور ان

کے دماغوں اور قومی جذبات کو تھامے کھڑی ہے۔

عرب قومیں ایران و فارس میں پہنچیں' اسے فتح کیا' وہاں کی قوموں کو فتح کیا' ان کے تہذیب و تمدن پر گہرا اثر ڈالا۔ بظاہر مفتوح قوم کو اس انقلاب کے بعد مٹ جانا چاہئے تھا لیکن جس چیز نے مفتوح قوم کو مٹنے سے بچا لیا' بلکہ فاتح کے دل میں مفتوح کا گھر بنا دیا وہ شاہنامہ وغیرہ کا فارسی لٹریچر ہے۔ فردوسی نے اپنی قوم پر احسان کیا' اور ایرانیوں کی عظمتِ رفتہ کو موت کے منہ سے نکال لیا' نہ صرف یہی بلکہ مسلمانوں کو اس حد تک اس عظمت کا دلدادہ بنا دیا کہ سلاطین اسلام اور امراء عوام نے فخر کے ساتھ ان کارناموں کو اپنی تاریخ میں جگہ دی وراس حد تک متاثر ہوئے کہ ان کے ناموں سے تسمیہ تک مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔ رستم خاں' سہراب خاں' جمشید علی' امیر خسرو' فیروز بخت' جواں بخت' فرخ سیر وغیرہ اسماء نے وقعت کے ساتھ لٹریچر میں جگہ پا لی۔ یہی وہ لٹریچر تھا جس نے نہ صرف مفتوح کو بچایا بلکہ فاتح کو مفتوح کیا۔

عربوں کی شجاعت اور قومی روایات انتہائی جہالت اور فقدان تعلیم کے باوجود ان کے شاعروں اور خطیبوں نے قائم رکھیں' اس دور میں خطابت و شاعری میں ان کا لٹریچر اور فکری ذخیرہ پنہاں تھا جس کی تعبیروں میں ان کا تمدن اور کلچر لپٹا ہوا تھا' وہ شاعر بنتے نہ تھے بلکہ پیدا ہوتے تھے اور مفاخر عرب پر قصائد اور کہاوتیں کہہ کر قوم کی روایات تھامے ہوئے تھے۔

ماضی قریب میں گاندھی اور دوسرے لیڈروں کا یہی فکری ذخیرہ تھا جس نے اولاً خیالات کی دنیا میں انقلاب و ہیجان بپا کیا' پھر قول و عمل میں اس کی جلوہ گری ہوئی اور پھر آخر کار ملک میں انقلاب رونما ہو گیا' جو درحقیقت وہی فکری اور ذہنی انقلاب تھا جس نے اندر سے باہر آتے ہوئے مختلف روپ اختیار کئے اور بالآخر ملک کی غلامی کو آزادی سے بدل دیا جس سے واضح ہو گیا کہ قومیتوں کا مدار کاران کا لٹریچر ٹھہر جاتا ہے۔ غرض لٹریچر ہی خیالات کی دنیا بناتا ہے اور پھر وہی عملی دنیا میں متمثل ہو کر جلوہ گر ہو جاتا ہے' گویا قوم کے اوپر بظاہر لباس اون' ریشم اور زری کا ہوتا ہے لیکن اس کے پردہ میں قوم اپنے لٹریچر کے لباس سے ملبوس ہوتی ہے جو لباس اور ملبوس دونوں میں رچا ہوا ہوتا ہے اور برنگ لباس خود ہی ظہور کرتا ہے اور قومیتوں کی تعمیر و تخریب کا معیار لٹریچر ثابت ہوتا ہے نہ کہ یادگاریں' محسوس یادگاروں سے مٹی ہوئی کسی قوم کی یاد تو زندہ رہتی ہے لیکن خود قوم زندہ نہیں ہوتی' آج متعدد قوموں کی یادگاریں مجسموں اور عمارتوں کی شکل میں موجود ہیں لیکن خود وہ قومیں موجود نہیں کیونکہ ان کے بقا کا ضامن لٹریچر موجود نہیں جس سے اس قوم میں حرکت اور زندگی پیدا ہوتی ہے' لیکن اگر کسی قوم کی حسی یادگاریں منہدم ہو جائیں مگر معنوی ذخیرے محفوظ طریقہ پر ان کے کردار و گفتار سے بروئے کار آئے ہوں تو اس قوم کے مٹ جانے کا کوئی تصور نہیں باندھا جا سکتا۔

بہرحال قوموں کی حیات و ممات کا واحد معیار ان کا لٹریچر اور فکری و عملی سرمایہ ہے جو قوم کے لئے بمنزلۂ روح و حیات کے ہوتا ہے۔

لٹریچر کے ساتھ لٹریچر فراہم کرنے والی شخصیتوں

سے بھی قطع نظر نہیں کی جا سکتی۔ اگر لٹریچر جمع کرنے والے اچھے خیالات و جذبات کے حامل اور خود اس لٹریچر سے متاثر ہیں تو قلوب کی دنیا سنور کر بیرونی دنیا کو درست کرتی ہے ورنہ بگاڑ دیتی ہے' آج کے ہنگاموں' غارت گریوں اور آبروریزیوں کا الزام لوگ غنڈوں پر رکھتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان غنڈوں کو کس نے بنایا؟ اور ان کے ظالمانہ اور سفاکانہ افکار کی تعمیر کس نے کی؟۔۔۔ یہ انہی کی نیکی اور بدی تھی جس کا لباس غنڈوں اور دوسروں نے پہن کر اس نیکی و بدی کو قلم سے زبان تک اور زبان سے ہاتھ پیر تک پہنچایا اور دنیا کو بدل دیا' بلاشبہ دنیا میں انقلاب پروپیگنڈا کرتا ہے مگر پروپیگنڈے کو زندہ لٹریچر کرتا ہے' جس کی آلۂ کار قوم بنتی ہے اور انفس کا ذہنی انقلاب آفاق میں خارجی انقلاب لے آتا ہے۔ **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔**

مسلمانوں کی قومی زندگی اور ان کی اجتماعی تشکیل و تنظیم اور ان کی عالمگیر ترقی بھی ان کے لٹریچر کا ثمرہ ہے' مسلمانوں نے عرب' ایران' روم و شام' مصر و فلسطین' عراق و خراسان' ترکستان' افغانستان' ہندوستان' جزائر شرق الہند اور ایشیا و یورپ کا بڑا حصہ فتح کیا' غیر مفتوحہ علاقوں پر اپنا اثر قائم کیا' عالم پر اپنا پرچم لہرایا اور مختلف روحی تہذیبوں اور تمدنوں کے سمندروں میں بھونچال ڈال دیئے لیکن یہ ان کی طوفانی ترقی' تعمیرات' مجسموں' یادگاروں' تصویروں اور مورتیوں کی رہین منت نہیں' کہ ان رسمیات کو تو اسنے خود ہی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا' بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس فطرت نواز لٹریچر کا ثمرہ تھا جس نے ان کے دل و دماغ کی تعمیر کی' ان کے نظر و فکر کو وسیع اور عالمگیر بنایا' ان کے قواء علم و عمل کو بیدار کر کے انہیں عمل کا ایک لامحدود میدان بخشا' اور ایک نصب العین پیش کر کے ان کی ہمہ گیر تنظیم کر دی' اس لٹریچر کا نام ''القرآن الحکیم'' ہے' اس لئے قرآن میں قرآن کو ''روح حیات'' کہا گیا ہے:

وکذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا۔

اور حدیث نبوی میں قرآن کو اقوام کی ترقی و تنزل کا واحد معیار بتلایا گیا ہے:

برفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ اٰخرین۔

قرن اول کے جلیل القدر مسلمانوں کے پاس لٹریچر کے سلسلہ میں ''قرآن عظیم'' کے سوا دوسری کتاب نہ تھی' اگر تھی تو اس کی اولین شرح و تفسیر تھی' جس کو حدیث کہا جاتا ہے اور اگر اس کے بعد کچھ اور تھا تو وہ انہی دونوں مصدر شریعت سے نکلا ہوا مسائل کا ذخیرہ تھا جس کو فقہ کہا جاتا ہے لیکن ان سب کی اصل اصول یہی کتاب (۱) مبین تھی جس کے عالمگیر اصول نے اس قوم کے اخلاق' اعتقاد' اعمال اور افکار و جذبات میں بھی عالمگیری پیدا کی' یہاں تک کہ اسی قوم اور اس کے لٹریچر کی بدولت پوری دنیا میں شعوری اور غیر شعوری طور پر عالمی مقاصد کا تخیل پھیل گیا' اس لئے قرآن حکیم میں اس قرآن کو پوری دنیا اور اس کے سارے جہانوں کے لئے پیغام ہدایت و موعظت بتلایا گیا ہے۔ **ان ھوا لا ذکری للعٰلمین** جس سے واضح ہے کہ اس کے فطری اور کلی اصول نہ صرف مسلمانوں بلکہ ساری دنیا والوں کے لئے اصول ترقی ہیں۔ دارین کے لئے اختیار کئے جائیں تو دارین کی نجات و فلاح

(۱) اس لئے اس اصل الاصول پر متفرع جزئیات زمانے کے تقاضوں کے ساتھ بدلتی رہیں گی اور یہ اصل الاصول ہمیشہ تک غیر متبدل رہے گی تاکہ اس میں سے ہر دور میں نئی نئی شاخیں پھوٹتی رہیں اور اپنا پھل دیتی رہیں۔ (طلوع اسلام)

ہے اور صرف دار دنیا کے لئے استعمال کئے جائیں تو دنیا کی بہبود و ترقی ہے' غلط فہمی یا لاعلمی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اس قرآنی لٹریچر کے مسائل حیات اور شؤن زندگی کسی اگلے یا پچھلے دور کے ساتھ مخصوص ہیں' اور کم از کم آج کے ترقی یافتہ دور میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں اور اس لئے کہا جاتا ہے کہ مذہب کو سیاسی اور معاشرتی میدان سے رخصت دے دی جائے اور اس کی جگہ مناسبِ وقت لادینی تصور اور فکر پیدا کیا جائے کہ اس کے بغیر عالمی نظم اور عالمی سیاست و ادارت قائم نہیں ہوسکتی اور اس دور میں عالمی حکومت قائم ہونا قومی خودکشی کے مرادف ہے' لیکن یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ عالمی زندگی' عالمی سیاست اور بین الاقوامی ادارت و نظم کے نام پر جب اس کے اجزاء ترکیبی یا اسباب و موانع کو گنایا جاتا ہے تو وہ سب کے سب وہی ہوتے ہیں جن کی طرف سب سے پہلے اسلام ہی نے توجہ دلائی اور اس نے اس نقشہ پر عالمی نظام کا اعلان کیا' مثلاً موانع کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ جب تک نسلی امتیازات' اقتصادی اونچ نیچ' سیاسی برتری اور کہتری' آقائی اور غلامی کا فرق' قومیتوں اور وطنیتوں کی تعصب آمیز حد بندیاں' قومی طبقات کا عدم توازن' رابطۂ عوام کی درمیانی رکاوٹیں ختم نہ کر دی جائیں گی عالمی نظام قائم نہیں ہوسکتا۔

سوال یہ ہے کہ ان موانع کو آپ کے سامنے پیش کس نے کیا؟ اگر اسلام نے اور بلاشبہ اس نے اور صرف اسی نے تو پھر یہ کہنا کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں اس کا پیش کردہ فکر کارآمد نہیں' کیا خود اپنے ہی منہ پر طمانچہ مارنا نہیں ہے؟ یا اسی طرح جب عالمی نظام کے اسباب و معدات گناتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اخوۃ عامہ' ہمہ گیر مساوات' نسلی اکتائی اور پوری دنیا کا ایک عالمی کریڈ اور مسلک سامنے نہ لایا جائے گا اس وقت تک معاش کا عمومی توازن' بین الاقوامی شوریٰ' قوانین بین الملل' عالمی حکومت قائم نہیں ہوسکتی۔

سوال یہ ہے کہ ان اجزاء کا شعور آپ میں کہاں سے آیا؟ اگر اسلامی لٹریچر سے آیا ہے اور بلاشبہ صرف اسی سے آیا ہے کیونکہ اس سے پہلے بین الاقوامیت کا نعرہ لگا کر کسی ملت نے بھی کوئی مکمل بین الاقوامی پروگرام پیش نہیں کیا' جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی کی رعایت ہو تو پھر یہ کہنا کہ یہ لٹریچر آج کے دور میں کافی نہیں' خود اپنے ہی کو جھٹلانا نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا نکلتا ہے کہ دنیا اس قانون کے عالمگیر اجزاء کو تو ماننا چاہتی ہے' مگر اس کی طرف منسوب کر کے ماننا نہیں چاہتی' گویا مانگ کر لینا نہیں چاہتی' چرا کر اڑانا چاہتی ہے' یا بالفاظ دیگر خدائی قانون اور مذہب کا نام رکھ کر تسلیم کرنا نہیں چاہتی' بلکہ اپنا مفروضہ کہہ کر قبول کرنا چاہتی ہے' یہ انداز تسلیم اچھا ہو یا برا۔ مگر اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آج کی دنیا زندگی کی جدوجہد اور شؤنِ حیات میں ان اسلامی اصول سے کسی طرح بھی مستغنی نہیں ہے اور وہ طوعاً یا کرہاً ان کی طرف جھکنے کے سوا چارۂ کار نہیں دیکھتی۔

غور کیا جائے آج جبکہ سنجیدہ اور فکرمند غیر مسلم بھی اسلام کے معاشی اور سیاسی نظام کو اسے کسی خاص دور یا خاص فرقہ کے لئے مخصوص نہیں سمجھتے تو مسلم کے لئے اس کی کیا گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہ اسے کسی دور کے ساتھ مخصوص سمجھنے کی جرأت کرے' نیز جبکہ عامۂ اقوامِ دنیا کی بین الاقوامی زندگی

ہی ان شؤنِ حیات کے بغیر زندگی نہیں بنتی' گویا کسی قوم کو بھی اس بارہ میں مسلم بنے بغیر چارہ نہیں ہوتا' گو وہ بلا اعلان اور بلا عنوان کے ہی مسلم بنے تو خود مسلم قوم کی زندگی اس دستور حیات کے بغیر کیسے بن سکتی ہے اور کس طرح زندگی کہلائی جا سکے گی؟ مسلم قوم حسی یادگاروں سے زندہ نہیں رہ سکتی بلکہ اپنی انہی لٹریچری یادگاروں اور شؤنِ معنوی ہی سے برقرار رہ سکتی ہے۔ اس کی زندگی تاج محل آگرہ' لال قلعہ دہلی' قلعہ معلیٰ لاہور' قطب کی لاٹ' چار مینار دکن' الحمراء اندلس' قصر عابدین مصر' سعودی محل جدہ' یا افغانستان و ایران اور روم و شام کی عالیشان عمارتوں یا تصویروں سے نہیں' کہ یہ بننے اور بگڑنے والی چیزیں ہیں' ان پر نہ اس قوم کی ماضی کی تعمیر ہوئی نہ مستقبل کی ہو سکتی ہے بلکہ یہ قوم اپنے اسی آسمانی لٹریچر' اپنی قومی روایات' اپنے اخلاق و روحانیات اور اپنی ہی روایتی شؤنِ حیات سے بنی ہے اور انہی سے باقی رہے گی۔ اس قوم کا کام نہ نقالی سے چل سکتا ہے نہ مرعوبیت سے بلکہ دلیری کے ساتھ اپنی ہی بنیادوں پر اپنی تعمیر کرنے سے چل سکتا ہے' دوسروں کی بنیادوں پر اپنی تعمیر اٹھانے سے تعمیر اپنی نہیں کہلائی جا سکتی' بنیاد والوں کو ہر وقت حق ہے کہ وہ ملبہ اٹھا لینے کا مطالبہ کریں۔ اس صورت میں دست نگر قوم کی نہ بنیاد باقی رہتی ہے نہ عمارت۔

کسی قوم کی تنظیم اعلانوں یا تنظیم کی تمناؤں کے اظہار سے نہیں ہوتی بلکہ فکر و خیال کی ہم آہنگی اور یکسانی سے ہوتی ہے' اس لئے ایک صحیح اور فطری نصب العین کو عملی طور پر لے کر کھڑے ہو جانے ہی سے قوم منظّم ہو سکتی ہے اور اس کے لئے قرآن کی بتائی ہوئی عالمگیر بنیادوں سے بڑھ کر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا۔

۔۔۔(۱) اس کا عالمی نعرہ لا الٰہ الا اللہ ہے جو تمام انبیاء کا دین ہے' جس سے خود ساختہ اور محدود رنگ برنگ کے فرضی خداؤں' وطن' قوم' نسل' رنگ' مورت اور مجسمہ وغیرہ کی نفی ہو جاتی ہے اور حقیقی توحید سامنے آ جاتی ہے جس پر اقوام عالم جمع ہو سکتی ہے۔ **تعالوا الی کلمتہٍ سواءٍ بیننا و بینکم۔**

۔۔۔(۲) اس کی عالمی سیاست کا اساسی مقام خلافت ہے۔ جس سے ملوکیت' شہنشاہی اور سیاسی آقائی و غلامی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور صحیح قسم کی جمہوریت اور اپنے ہمہ گیر اصول کے لحاظ سے پوری دنیا کی بین الاقوامیت قائم ہو جاتی ہے جس سے ٹکڑے ٹکڑے شدہ مملکتیں ایک کنٹرول میں آ سکتی ہیں۔

۔۔۔(۳) اس کا عالمی قانون ضابطۂ فطرت (کلام الٰہی) ہے جس سے قانون سازیوں کی تشویشات اور اس کے راستے سے آنے والی قومی خود غرضیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور باہمی آویزشوں سے تنگ آئی ہوئی پارٹیاں ایک نقطہ پر جمع ہو سکتی ہیں۔

۔۔۔(۴) اس کی عالمی اجتماعیت کا مظاہرہ بیت اللہ کے اردگرد جمع ہو کر اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت دیتا ہے جس سے بین الاقوامی انتشار اور انفرادیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور بکھرے افراد عالم ایک مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں۔

۔۔۔(۵) اس کا عالمی مرکز کعبۂ محترم ہے جو نافِ عالم اور مرکزِ حیات و ہدایت ہے جس سے متضاد رخ باشندوں کی تضاد حسی ختم ہو کر رخ کی وحدت اور ہمہ گیری پیدا ہو جاتی ہے۔

۔۔۔۔(۶) اس کی عالمی عبادت نماز ہے' جس میں نہ گھی تیل کی ضرورت ہے نہ کسی اسم وصورت کے مواجہہ کی اور نہ کسی خاص عمارت کی۔ خدا کی ساری زمین اس کے لئے مسجد ہے اور زمین کی جنس کا ہر حصہ اس کے لئے پاک وطہور ہے' بحر و بر اور فضاؤ ہوا میں ہر جگہ رہ کر یہ عبادت ادا کی جاسکتی ہے اور جس کی جماعتی منظّم صورت سے تشتت فکر اور شرک فی المقصود کا خاتمہ ہو کر دنیا کے تمام منطقوں کے افراد ایک رخ پر ہو سکتے ہیں۔

۔۔۔۔(۷) اس کی عالمی معاشرت کی روح اخوت و مساوات ہے جس سے بناوٹی امتیازات کا خاتمہ ہو کر ایک عالمگیر برادری' بھائی چارہ کی زندگی کی اساس و بنیاد پڑ جاتی ہے اور اخلاقی بین الاقوامیت پیدا ہو جاتی ہے۔

۔۔۔۔(۸) اس کی عالمی اخلاقیت کا جوہر احترامِ انسانیت ہے جس سے چھوت چھات اور ذات پات کی پراگندگیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور بلند و پست فرق مراتب کے ساتھ ایک سطح پر آ جاتے ہیں۔

بہرحال اصول مذکورہ سے دیانت' سیاست' معاشرت اور اخلاقیت وغیرہ سے تمام ایسی حد بندیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے جن کے رہتے ہوئے عالمی نظام قائم نہیں ہوسکتا تھا اور ایسے ہمہ گیر حسی اور معنوی نقطے فراہم ہو جاتے ہیں جن پر مذہبی اور غیر مذہبی قوتیں جمع ہو کر ایک قوم بن سکتی ہیں' پس اگر بین الاقومیت پسندوں کو مذہب سے اس لئے گریز ہے کہ عامۃً مذاہب کی حد بندیاں تمدن و تہذیب کی ہمہ گیری میں حارج ہیں' تو ان عالمگیر حدودِ مذہب کے بعد جو اسلام نے پیش کی ہیں یہ عذر باقی نہیں رہتا۔ اگر خدا سے بغاوت اور کنارہ کشی مقصود ہے تو اس عذرِ لنگ کا پردہ محض دھوکہ دہی ہو کر رہ جاتا ہے البتہ سنجیدہ دنیا کے نزدیک کبھی باوقعت اور درخور اعتنا نہیں ہوسکتا' تاہم آج جبکہ دنیا کی اکثریت طوعاً یا کرہاً خود ہی ان اصول کی طرف آ رہی ہے خواہ مذہب پسندی کے رنگ اور اعتقاد و عقیدت کے انداز سے نہ سہی' سیاسی اور تمدنی انداز ہی سے سہی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ متعصب اقوام کی خاطر انہیں دنیا کے سامنے پیش کرنے سے شرمایا جائے' یا اگر دنیا لادینی فکر سے بین الاقوامیت کی طرف بڑھ رہی ہے مگر انہی اصول کی مدد سے' تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ دینی فکر سے اسے بین الاقوامیت کی دعوت دینے میں جھجک محسوس کی جائے جو ان اصول کا اصل منشاء اور مقصود ہے' بلکہ عام انسانیت کی بہی خواہی اور ہمدردی کا تقاضا ہے کہ دنیا کی بین الاقوامیت میں سے لادینی تصور کو خارج کرنے کی پوری سعی کی جائے کیونکہ اس سے لادینی تصور کی بین الاقوامیت قطع نظر اس سے کہ لادینی جمہوریت اسلام کے اور ہر مذہب کے منشاء کے سرتاسر خلاف ہے' تجربہ کے لحاظ سے یہی دنیا کے لئے مہلک اور مخرب ثابت ہو رہی ہے۔ چنانچہ جب سے یہ لادینی تصور کی بین الاقوامیت نمودار ہوئی ہے' جب ہی سے دنیا کی بین الاقوامی تخریب و ہلاکت بھی روز بروز قریب ہوتی جا رہی ہے' عالم سے عالمی امن و سکون رخصت ہو چکا ہے' دلوں کا چین مٹ چکا ہے اور اعتماد باہمی فنا ہو گیا ہے جو مدنیت صحیحہ کی روح ہے۔ بین الاقوامی تحریک لادینی کے دخل سے بین الاقوامی فساد بن کر رہ گئی ہے جس سے کسی قوم میں بھی سکھ اور چین باقی نہیں رہا۔ دراں حالیکہ بین

الاقوامیت کی ضرورت پوری دنیا سے فساد مٹانے کے لئے تھی نہ کہ شر و فساد پھیلانے کے لئے' اس لئے صالح بین الاقوامیت بنانے کا ذریعہ دین کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا' لیکن اس غیر لادینی نظامِ ملت کے ہوتے ہوئے حقوق شہریت کے تحفظ اور مظلوموں کی بے لاگ حمایت سے کسی مشترکہ پلیٹ فارم کی نفی مقصود نہیں ورنہ یہ دینی تنظیم اس مخلوط تنظیم کے منافی ہے' بلکہ ایسی مخلوط تمدنی تنظیموں کے لئے یہ دینی تنظیم بجائے منافی ہونے کے معین ثابت ہوگی' کیونکہ جب تک دیانت و راست بازی کے ساتھ قلوب میں اخلاص اور مظلوموں کی حقیقی ہمدردی نہ ہو گی مشترک جماعتیں بے غرضی سے کام نہیں کرسکتیں اور یہ ہمدردی بغیر خدا پرستی اور نظام دین کی تکمیل کے ناممکن ہے' اس لئے یہ شہری یا مخلوط تنظیم جس کا حاصل صرف شہریت وتمدن کے حقوق کی نگہداشت اور مشترکہ آواز سے ان کے مطالبہ میں قوت پیدا کرنا ہے' اس دینی تنظیم ہی سے سچائی کی روح حاصل کرسکتی ہے۔

بہرحال امت کے سامنے دینی معیار سے نظم ملت کا پروگرام پیش کیا جانا اور اسے لے کر عملاً چلنا ازبس ضروری ہے' جس کی غرض و غایت اسلام کے بین الاقوامی پروگرام پر خود قائم ہوکر دلوں کی سچائی اور خلوص سے اسے دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے' اسلام نے اپنی تنظیم عصبیت پر نہیں کی بلکہ فطرت پر کی ہے' اس لئے قدرتاً نہ تو اس میں تنگی ہے نہ تعصب اور ظاہر ہے کہ عالمگیر پروگرام پیش کرنے والا مذہب آلودۂ تعصب و تنگی ہو بھی نہیں سکتا۔ اس لئے اقوام کی طرف جس قدر اس نے سالمیت و رواداری کا ہاتھ بڑھایا ہے' اتنا یا اس کا عشر عشیر بھی کسی ملت نے نہیں بڑھایا بلکہ وہ ملتیں جن کا سرمایہ ہی محدود نظریات اور تنگ تنگ حد بندیاں ہوں عمومی رواداری اور بین الاقوامی سالمیت کا ثبوت دے بھی نہیں سکتیں۔

اندریں صورت آج کے دور میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر قیاس کر کے یہ کہہ دینا کہ مذہب ایک شخصی اور انفرادی تعلق ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان قائم ہوتا ہے اسے سیاست و معاشرت سے کوئی واسطہ نہیں' بلاشبہ اسلام کی بنیادوں کی تکذیب کر دینا ہے' مذہب و سیاست کی یہ تفریق ان مذاہب پر راست آسکتی ہیں جو حقیقتاً اجتماعیت سے خالی رہ کر صرف اعتقاد و عبادت تک محدود ہیں لیکن جو مذہب معاشرت' سیاست سے لے کر عبادت تک اجتماعیت گیری کا رنگ لئے ہوئے ہو' اور جس نے دنیا کی سیاست میں عالمگیری کا رنگ بھرا ہو' اسے انفرادیت کے مذہبوں پر قیاس کر کے محض عبادت کی حدود سمجھ لینا اور اسے صرف بندہ اور خدا کا درمیانی رشتہ کہہ کر پکارانا اسلام سے ناواقفیت یا محض مصلحت اندیشی کی علامت ہے جیسا کہ اس کے برعکس اسلام کو لادینی اجتماعیّتوں پر قیاس کر کے اسے محض ایک بین الاقوامی تحریک سمجھ لینا جس میں بندہ اور خدا کا کوئی درمیانی رشتہ ملحوظ نہ ہو' افراط وتفریط اور اس کی تعلیمات سے بےخبری کا نتیجہ ہے۔

بہرحال ہماری اجتماعیت و تنظیم بین الاسلامی بھی ہے اور بین الاقوامی بھی ہے اور اس کے تحت بین الوطنی بھی ہے لیکن ان سب کی روح وہی اخلاقیت و روحانیت ہے جو اللہ کے قانون میں مذکور ہوتی ہے اس لئے بقا و ترقی اور تعمیر و تنظیم کی سب سے پہلی اور سب سے آخری منزل مسلمانوں کے لئے

قرآن کی تعلیم کو رائج کرنا اور اس کی طرف دنیا کو دعوت دینا ہے۔ امام مالکؒ نے اس بارہ میں اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیا ہے، فرمایا ہے:

لا یصلح اٰخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا۔

اس امت کے آخر طبقہ کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہو سکتی ہے جس سے امت کے اول طبقہ کی اصلاح ہوئی (اور وہ بلاشبہ قرآن ہے)۔

پس اگر اس دور لادینیت میں مسلم قوم کو اپنے حال اور مستقبل کی طرف سے مطمئن ہونا ہے تو رسوم سے بالاتر ہو کر وہ اس لٹریچر کو سنبھالے جس نے ابتداء اسے جنم دیا تھا اور جو ماضی میں اس کی تشکیل اور تنظیم کا بے خطا معیار ثابت ہوا ہے، یعنی ''القرآن العظیم'' وہی آج بھی اس کی بقا و ترقی اور وحدت و تنظیم کا ضامن ہو سکتا ہے اور آج کی پارٹیوں کی تخریبی مساعی کے ہجوم میں بھی اگر اس کی روشنی ہمارے اندر اور باہر ہے تو اسلامی تہذیب و تمدن کا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔ وباللہ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر، لاہور

دوستی

پچھلے دنوں پاکستان میں جب کرکٹ میچ ہو رہے تھے ایک ہنگامہ بپا تھا۔ یہ تھے تو بظاہر میچ ہی مگر جیسے ٹی وی کے ڈرامے Sponsered ہوتے ہیں جس میں سپانسر اپنی اپنی مصنوعات کی زیادہ سے زیادہ اشتہار بازی کرتے ہیں اسی طرح مختلف شعبوں کے بندے جن میں شوبز کے لوگ پیش پیش تھے، سیاسی شعبدہ باز بھی پیچھے نہ تھے۔ لالو پرشاد صاحب سے لے کر مشرقی پنجاب (بھارتی پنجاب) کے وزیراعلیٰ تک تشریف لائے۔

امن امن، دوستی، دوستی کی ہاہاکار مچی ہوئی تھی، ڈیلیگیشن آ رہے تھے، ڈیلیگیشن جا رہے تھے، مشترکہ کلچر، مشترکہ رہن سہن، ثقافت، زبان کا چرچا کچھ زیادہ ہی بلند آواز میں ہو رہا تھا، حتیٰ کہ سرحد کو لکیر تک کہا گیا۔۔۔ٹھیک ہے امن کے حامی ہم بھی ہیں، اسلام تو نام ہی امن اور سلامتی کا ہے۔ دوستی! آمنا وصدقنا، چشم ما روشن دل ما شاد۔۔ کھلے ذہن سے، کھلے دل سے آؤ، ادھر بھی گرم جوشی پاؤ گے۔۔مگر یہ مشترک کلچر، مشترک طریق رہن سہن، ثقافت۔۔اس پر ہمیں کچھ سوچنا ہوگا اور بین الاقوامی سرحد کو لکیر کا نام دینے سے کیا مطلب ہے اس پر بھی غور کرنا ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے ہم اکٹھے رہتے رہے ہیں اور صدیوں اکٹھے رہے ہیں، پہلے مسلمان حکمران تھے، پھر مسلمان اور ہندو دونوں انگریز کی رعایا کے طور پر اکٹھے رہے، اس دوران سیاسی مصلحتوں کے تحت ہم نے معاشرتی رابطے استوار کئے، سیاسی جماعتوں میں شامل ہو کر اکٹھے جدوجہد بھی کی لیکن یہ ایک حقیقت ہے، سچائی ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ اس ہزار سال کے طویل عرصے میں ہم الگ الگ اکائیاں (Separate Entities) ہی رہے، ایک دوسرے میں ضم نہیں ہوئے۔ اور جب انگریز کے یہاں سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو ہم نے محسوس کیا کہ اس کے بعد معروف مغربی جمہوریت میں ہماری حیثیت کیا ہوگی۔۔ مغربی جمہوریت میں تو بندوں کو گنا کرتے ہیں (تولا نہیں کرتے) ون مَین ون ووٹ میں مذہب کے نام پہ ووٹ کے حساب سے تو ہم ہمیشہ اقلیت میں رہیں گے، ہمیشہ محکوم۔ ون مَین ون ووٹ انگلستان، جرمنی، فرانس میں تو چل سکتا ہے کہ پارٹیاں معاشی، معاشرتی پروگراموں پہ تشکیل پاتی ہیں، صحیح

معنوں میں ان کا کلچر' ان کی ثقافت' ان کی زبان ایک ہوتی ہے' مذہب کو گرجوں تک محدود کر کے اپنی سیاست کو وہ آزاد کر چکے۔۔مگر یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔ ہماری ہر سوچ کا سرچشمہ ہی ہمارا دین ہے' وہی ہمیں دوسرے انسانوں سے حسن سلوک کا سبق دیتا ہے وہی ہمیں انصاف' عدل و احسان پہ مبنی معاشرے کا درس دیتا ہے' وہی ہمیں ایک توازن بدوش معاشرت کی تشکیل کا ڈھنگ سکھاتا ہے اور فلاح عامہ پر مبنی معیشت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

منافرت مسلمان کے لئے اجنبی تصور ہے' اسلام تو ساری انسانیت کو امتِ واحدہ پکارتا ہے (2:213)۔ پاکستان بنانے کی جدوجہد کسی سے دشمنی پر مبنی نہ تھی' صرف اپنے حقوق کا تحفظ تھا' اپنے کلچر' اپنی ثقافت اپنی زبان اپنے طرز زندگی۔۔مختصراً اپنے فلسفہ زندگی کے مطابق جینے کا حق مانگنے کا نام تھا' اور یہ جدوجہد قائداعظمؒ کی قیادت میں بڑے ہی قانونی طریقے سے بغیر تشدد پسندی کے جیتی گئی۔ قیام پاکستان سے کچھ پہلے اور کچھ بعد میں جتنا کشت وخون ہوا اسے پاکستان کے کھاتے میں ڈالنا زیادتی ہے' محض مخالفانہ پراپیگنڈہ ہے' یہ سب دراصل ہاری ہوئی اکثریت کا ردعمل تھا۔

قائداعظمؒ بڑا واضح تصور رکھتے تھے' دوٹوک بات کرتے تھے' ۱۹۴۰ء کے لیگ کے تاریخی اجلاس میں آپ نے فرمایا تھا۔

''یاد رکھئے ہندو اور مسلمان زندگی کے ہر معاملے میں جداگانہ فلسفہ رکھتے ہیں' دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے' یہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر ہیں۔۔''

کیا یہ ایک Rational سوچ پر مبنی بیان نہیں' کیا اس میں کہیں بھی عداوت یا دشمنی کا شائبہ بھی نظر آتا ہے۔ اور اسی سوچ کی بنیاد پر ہم نے جدوجہد کی اور اپنا مقصد حاصل کر لیا' چاہئے تو یہ تھا کہ اکثریت رکھنے والی جماعت اسے خوشدلی سے قبول کرتی' خود امن میں رہتی اور پاکستان کو امن میں رہنے دیتی مگر ایسا نہ ہوا' فسادات' کشت وخون نے مسائل کا ایک بوجھ اس نوزائیدہ مملکت پہ لاد دیا۔ دہلی میں تو بنا بنایا سیکریٹریٹ تھا' انفراسٹرکچر تھا' روپیہ پیسہ تھا' فوج تھی۔ پاکستان تو تہی دست تھا' اسے تو اپنا آپ سنبھالنے ہی میں مدت لگ گئی' کسی اور طرف توجہ ہی نہ ہوسکی' اس دوران اس کی فعال قیادت منظر سے ہٹ گئی۔ سرمایہ دار' جاگیردار' بااثر خاندان' اونچے سرکاری نوکران کرسیوں پر براجمان ہو گئے جہاں سے وہ لوگوں کی زندگیوں سے کھیل سکتے تھے اور انہوں نے یہ کھیل خوب کھل کر کھیلا۔

قائداعظمؒ اور اقبالؒ کے خواب ہوا میں تحلیل ہو گئے' زمانے کے تقاضوں کے مطابق ایک اسلامی فلاحی مملکت جس کی معیشت قل العفو اور معاشرہ کس نہ باشد در جہاں محتاج کس کا عکاس ہونا تھا' جسے دنیا کے لئے ایک مثالی مملکت کا روپ اختیار کرنا تھا بھانت بھانت کے تجربوں کی گرد میں کھو گئی اور آج نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد ہم اپنی شناخت کی تلاش میں ہیں۔

آج دنیا بھر میں مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کو

بنیاد پرست (Fundamentalist) اور دہشت گرد کہہ کر بدنام کیا جا رہا ہے۔ اور یہ اس معاشرت' اس تہذیب کے لوگ کہہ رہے ہیں جن کی اپنی بنیادیں ہی کوئی نہیں اور اگر کوئی ماضی کی روایات اور تاریخ ہے بھی تو دہشت گردی اور کمزوروں پہ ظلم اور کشت وخون کی ہے جو افریقہ سے غلام پکڑ کر لاتے تھے اور ملک کے اصلی باشندوں کو آہستہ آہستہ ختم کرتے رہے۔ آج جن کے پاس سب سے زیادہ خوفناک قوت ہے جس کے بل پر وہ جس کو چاہتے ہیں ڈراتے دھمکاتے اور پھر تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ اور یہ سب امن وتہذیب کے نام پر۔

میں نہ امن کے خلاف ہوں نہ علم و تہذیب کے' منافرت کے حق میں تو ایک طرف اسے سب کے لئے لعنت سمجھتا ہوں۔ اس کی وجہ سے میرا دین جو امن وسلامتی کا دین ہے دنیا میں بدنام ہو رہا ہے۔ لفظ جہاد کو وہ وہ معنی پہنائے جا رہے ہیں کہ جاننے والے انگشت بدنداں ہیں۔ یہ تو دنیا کو اپنی تمام تر مخلص جدوجہد کے ذریعے ایک جنت بداماں جگہ بنانے کی کوشش کا نام ہے جہاں کوئی اونچ نیچ نہ رہے' کوئی پسماندہ و محتاج نہ رہے' کوئی بھوکا' کوئی بے لباس نہ رہے' بے گھر نہ رہے' بے آسرا بے سہارا نہ رہے۔

مغرب تو اپنے مذہب سے بھی بے گانہ ہے اور اسلام کا نام ہم سے مسلمانوں نے بدنام کر رکھا ہے' ایسے میں حقیقت کسی پہ کیسے اشکار ہو' مغرب زتو بیگانہ مشرق ہمہ افسانہ۔۔

یہاں میں قائداعظمؒ کے کچھ لفظ دہرانا چاہ رہا ہوں' ۱۹۴۱ء میں آپ نے حیدرآباد عثمانیہ یونیورسٹی کے طالب علموں کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

''جب میں انگریزی میں مذہب (Religion) کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں۔

میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلام کے مطالعے کی اپنے طور پر کوشش کی ہے' اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں' زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی' سیاسی ہو یا معاشی غرض کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔''

آج معیشت نے زیادہ ہی بنیادی حیثیت اختیار کر لی ہے' امیر ملک غریب ملکوں کو معیشت کی برتری کے زور پہ فتح کر رہے ہیں' غلام بنا رہے ہیں۔ دنیا سرمایہ دارانہ نظام کے ہاتھوں ایک عذاب میں مبتلا ہے۔ کچھ باغیوں نے کمیونزم میں اس کا توڑ ڈھونڈا۔ بہت دیر سرمایہ دارانہ نظام اس کے مقابل مگر اس سے خائف رہا مگر بالآخر اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام جیت گیا۔ مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار۔

قائداعظمؒ اس کشمکش سے خوب آگاہ تھے' معیشت

کے متعلق انہوں نے سٹیٹ بینک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب میں (جو ان کی زندگی کی آخری پبلک تقریر تھی) فرمایا:

''ہمارے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ یہاں کے عوام خوشحالی اور اطمینان کی زندگی بسر کریں' اس مقصد کا حصول مغرب کے اقتصادی نظام کو اختیار کرنے سے نہیں ہو سکے گا' ہمیں اپنا رستہ آپ متعین کرنا چاہئے اور دنیا کے سامنے ایک ایسا نظام پیش کرنا چاہئے جو اسلامی مساوات اور عدل عمرانی کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو' صرف یہی طریق ہے جس سے ہم اس فریضہ سے عہدہ برا ہو سکیں گے جو ہم پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے اور ہم دنیا کو وہ پیغام دے سکیں گے جو اسے تباہیوں سے بچا لے اور نوع انسان کی بہبود و مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہو سکے' یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہو سکتا۔''

افسوس کہ دوسروں کو راہ دکھانا تو ایک طرف ہم خود کسی منزل کو متعین کئے بغیر گم کردہ راہ قافلے کی صورت میں گھوم رہے ہیں' پچپن چھپن سال کی تھکن کے باعث ماندہ غیروں کے در پہ کشکول اٹھائے بھیک کے منتظر رہتے ہیں اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے مبنی برانصاف معیشت قائم کرنے کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا۔ خدا ناشناس مساواتِ شکم پر مبنی نظام کے خلاف تو ہمارے خود ساختہ اسلام پسند رہنماؤں نے نہ صرف آواز بلند کی بلکہ سرمایہ پرست مغرب کے آلۂ کار بن کر لڑے بھی اور اس نظامِ کفر کو بکھیرنے میں مدد و معاون ہوئے جو ایک دوسرے کفر کے مدمقابل اس کی عالمی اجارہ داری کے خلاف دیوار تھا۔

المیہ تو یہ کہ اسلام کا نام لے کر اٹھنے والوں کے پاس جذباتی نعروں سے زیادہ کوئی ٹھوس پروگرام تو کیا کوئی قابل ذکر لائحہ عمل اور سوچ بھی نہ تھی' وہ اسلام کو کچھ عبادات اور کچھ سزاؤں تک محدود نظام سمجھ پائے اور دنیا کو اسلام کا یہی رخ دکھاتے رہے۔ حالانکہ اسلام پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ایک ایسی سلجھی ہوئی سوسائٹی قائم کرتا ہے جس میں اونچ نیچ' رنگ' نسل' زبان حتیٰ کہ مذہب بھی تعصب کا باعث نہیں بنتا۔ ایسا سیاسی نظام بناتا ہے جس میں باہمی مشورہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور ہر شخص بلالحاظ پیشہ اور پیسہ اتنا ہی اہم ہے جتنا کوئی حکومتی عہدیدار (حکومتی عہدیدار پر تو بلکہ ذمہ داریوں کا کہیں زیادہ بوجھ ہوتا ہے)۔ وہ ایک ایسا نظام معیشت قائم کرتا ہے جس میں حکومت نہ صرف ہر شخص کی بنیادی ضروریات زندگی روٹی' کپڑا' مکان' تعلیم کے یکساں مواقع' علاج معالجہ کی سہولیات' بڑھاپے' معذوری میں کفالت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ بلکہ ان کے دائرہ کار میں بسنے والے ہر مرد عورت کی Potential صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی بھی مکلّف ہوتی ہے۔ اور جس قوم کی ساری خفتہ صلاحیتیں بیدار ہی نہیں بام عروج پہ پہنچیں وہ کیسے اقوام عالم میں سربلند ہی نہیں انتم الاعلون یعنی سپریم نہ ہوگی۔ آج کی دنیا میں سپریم ہونے کے لئے علم اور خاص طور پر سائنس میں عروج حاصل کرنا لازمی ہے' اسی کے بل بوتے پہ آج کی سپریم طاقت اپنے سامان حرب وضرب کے بل بوتے پر فرعونِ وقت ہی نہیں' چنگیز و ہلاکو کا رول بھی لئے ہوئے ہے۔ مگر اسلام پر مبنی سپریم طاقت

استحصال اور ظلم کی علامت نہیں ہوتی۔ یہ طاقت ہمیشہ پس ماندہ اور مجبور انسانیت کے لئے ڈھال ہوتی ہے چاہے مظلوم غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔

ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہم اسلام کا نام تو بہت لیتے ہیں مگر نہ اس کے پیغام کو سمجھتے ہیں' نہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں ورنہ آج اقوام عالم میں اس طرح جاہل' پسماندہ اور ذلیل نہ ہوتے۔

بہت دیر ہو چکی' بھانت بھانت کی بولیوں میں قائداعظمؒ کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی' طالب علموں کو انہوں نے ہمیشہ علم کے حصول میں لگن کی تلقین کی' سرمایہ داروں' جاگیرداروں' استحصال پسندوں سے ہمیشہ برأت کا اعلان کیا' اسلام کے معاشی نظام اور عدل عمرانی پر زور دیا۔ ''اتحاد' ایمان' تنظیم'' ترقی کے حصول کے لئے لازمی قرار دیئے انہی پر عمل پیرا ہو کر اس قصر مذلت سے نکل سکتے ہیں۔ وقت بہت گزر چکا' زمانہ بہت آگے نکل گیا' ہمیں دن رات کی محنت درکار ہو گی' جہاں دوسرے چل رہے ہیں ہمیں دوڑنا ہو گا۔ بھوکے پیٹ لڑنا ہو گا' بہت مشکلات کا سامنا ہو گا مگر اتحاد' ایمان' تنظیم کے بل پہ ہم یقیناً اقوام عالم میں باعزت مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر ہم نے جہد و جہد کا یہ راستہ' حصول علم اور علم پر مبنی طاقت کا رستہ اختیار نہ کیا تو وہ وقت خدانخواستہ بہت دور نہیں کہ:

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر، برطانیہ

علماء کون ہوتے ہیں؟

ہمارے ہاں جن حضرات کو علماء کرام کہا جاتا ہے قوانین فطرت کے متعلق ان کے مبلغ علم کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن دیکھئے کہ قرآن کریم ''علماء'' کن لوگوں کو قرار دیتا ہے۔ سورۃ فاطر میں ہے کہ تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ اللہ کے قانون کے مطابق آسمان سے ایک جیسا پانی برستا ہے لیکن اس سے مختلف انواع واقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ سب پھل اور فصلیں ایک جیسی ہوں اور ''پہاڑوں کو دیکھو کہ ان کا مادہ تخلیق ایک ہی تھا لیکن ان میں مختلف رنگوں کے خطے ہیں۔ کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی کالا بھجنگ'' (اور ہر خطہ اپنے اندر ارتقائی منازل کی داستانیں مرقوم ومحفوظ رکھے ہوئے ہے)۔ اسی طرح انسان اور دیگر حیوان اور مویشی بھی مختلف النوع ہیں (35/27)۔ آپ نے غور کیا کہ اس آیت کریمہ میں کن امور کا ذکر ہو رہا ہے۔ کائنات کے مختلف گوشوں کا۔ بساط فطرت کے متنوع شعبوں کا۔ سائنس کے مختلف علوم۔ طبعیات، نباتات، طبقات الارض، حیوانات اور انسانیت کے تمام شعبے اس کے اندر آجاتے ہیں۔ صحیفۂ فطرت کے یہ اوراق جو قوانین خداوندی کی زندہ شہادت ہیں سب کے سامنے کھلے رہتے ہیں لیکن ان قوانین کی عظمت کے سامنے وہی جھکتے ہیں جو ان پر علم وبصیرت کی رو سے غور کرتے ہیں۔ ان علوم وفنون کے تذکرہ کے بعد کہا گیا ہے! حقیقت یہ ہے کہ خدا کے بندوں میں سے ''علماء'' وہ ہیں جن کے دلوں پر اس کی عظمت اور ہیبت چھا جاتی ہے۔ کیونکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت رموز و اسرار کائنات کا علم حاصل کر کے اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ خدا کتنی بڑی قوتوں کا مالک ہے اور کس طرح ایسے عظیم کارگہ کائنات کو ہر قسم کی تخریب سے محفوظ رکھ کر آگے بڑھائے جا رہا ہے (35/28)۔ غور کیجئے کہ قرآن کریم نے ''علماء'' کا لفظ کن لوگوں کے لئے استعمال کیا؟ انہی کے لئے جنہیں ہم آج کل سائنس دان کہتے ہیں۔ دنیا کے مذاہب اور سائنس میں تصادم چلا آ رہا ہے۔ سائنس کو مذہب کی دشمن اور مذہب کو سائنس کی ضد کہا جاتا ہے۔ ان کے برعکس قرآن کریم کہتا ہے کہ سائنس کا ہر مبنی بر حقیقت انکشاف اس کے کسی نہ کسی دعوے کی صداقت کی شہادت یعنی ثبوت ہوگا (41/53)۔ اس لئے قرآن کریم کی رو سے سائنس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ''حضورﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے چین جانا پڑے''۔ چین میں مدرسے نہیں تھے جہاں سے فقہی علم حاصل کرنے کے

لئے حضورﷺ نے فرمایا تھا' بات سائنس اور ٹیکنالوجی کی تھی۔ سالوں بعد مسلمانوں نے کاغذ بنانے کا علم چین سے حاصل کیا تھا۔ جہاں تک انسانی راہنمائی اور امور مملکت کا تعلق ہے اس کے لئے قرآنی احکام وقوانین اور اصول وقدار کا مفہوم واضح اور متعین ہے۔ ان میں کوئی پیچ وخم نہیں اس لئے انہیں سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی مدرسہ کے کورس پاس کرنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً عبرت حاصل کرنے کے لئے انبیاؑء سابقہ اور اقوام گزشتہ کے تاریخی شواہد میں ہے کہ فلاں قوم نے قوانین خداوندی اپنائے تو انہیں اپنی ہمعصر اقوام پر فضیلت حاصل ہوگئی اور جب بعد میں' اپنے نبی کی کتاب کے مطابق متشکل کردہ نظام (دین) کی بجائے اپنے خود ساختہ قوانین اور جذبات وخواہشات (مذہب) کے مطابق زندگی بسر کرنی شروع کردی تو ان کی موت واقع ہوگئی یعنی ان پر زوال آ گیا یہ کفر کی زندگی ہے۔ بارش کی مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ یہ ہمارے قانون کے مطابق برستی ہے اس لئے زمین مردہ کو حیات تازہ مل جاتی ہے۔ اگر کوئی مردہ (زوال پذیر) قوم ہمارے قوانین کے مطابق اپنا معاشرہ متشکل کر لے تو اسے بھی اسی طرح حیاتِ نو مل جائے گی یعنی عروج حاصل ہو جائے گا۔ جب وہ اسلامی مملکت کے متعلق کہتا ہے کہ ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں گے تو کیا اس اصول کا مفہوم سمجھنے میں کسی قسم کا الجھاؤ یا اختلاف پیدا ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم اصول دیتا ہے ان اصولوں کو بروئے کار لانے کا پروگرام ہر دور کی قرآنی مملکت اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق وحی کی روشنی میں خود متعین کرے گی۔ اس میں اپنے آپ بن بیٹھنے والے علماء کرام اور مشائخ حضرات کا کیا کام جو آپس کے اختلافات ختم نہیں کر سکتے۔ انہی اختلافات کی وجہ سے کسی بھی مسلم ملک میں دین قائم نہیں ہو رہا اور تو اور ان کے علم کی رو سے قاعدوں اور کتابوں میں بچے جب لا الہٰ الا اللہ کا ترجمہ There is no god but God پڑھتے ہیں تو ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا لیکن جب ان سے کہا جائے گا کہ There is no Sovereign except ALLAH تو فوراً بات ان کی سمجھ میں آ جائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید امتیاز احمد

پُھول جو میں نے چُنے

''اسبابِ زوالِ اُمت''

جو قوم تسخیرِ فطرت نہیں کرتی اس کے لئے وحی کی مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جسے مقامِ آدمیت بھی نصیب نہیں اسے مقامِ مومن کس طرح نصیب ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

جو کچھ قرآن میں بیان ہوا ہے اسے اس کے صحیح مقام پر رکھ کر دیکھئے' اس کا نتیجہ ہدایت ہوگا لیکن اسے اس کے مقام سے ہٹا کر اپنے معتقدات اور نظریات کے تابع رکھ دیا جائے تو اس کا نتیجہ گمراہی ہوگا۔ مسلمان کے ساتھ یہی ہو رہا ہے۔

☆☆☆

مقاصد کی تخلیق جدتِ فکر و ندرتِ خیال کی رہین ہوتی ہے۔ اگر کسی قوم میں فکر کی تازگی برقرار نہ رہے..... تو وہ قوم تخلیق کی اہل نہیں رہتی۔

☆☆☆

حیاتِ انسانی ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے..... یہ ایک جوئے رواں ہے جو اس دنیا سے بڑھتی ہوئی آخرت تک مسلسل چلی جاتی ہے۔ زمان کی صراطِ مستقیم پر مختلف نشانات' گزر گرہوں کے نشانات ہیں اور بس۔

☆☆☆

ملوکیت ہر اس نظام کا نام ہے جس میں دنیاوی امور کے لئے قانون کا سرچشمہ قرآن سے الگ ہو' خواہ اس کی شکل بادشاہت کی ہو یا جمہوریت کی۔

☆☆☆

ہماری حالت یہ ہے کہ ہم میں سے بڑے سے بڑا روحانیت کا دعوے دار بھی تھوڑی تھوڑی تک اسی دنیا کی ضروریات میں غرق ہوتا ہے اور زبان سے ہم میں سے ہر شخص دنیا پر لعنت بھیجتا ہے۔

☆☆☆

دین کے ارکان و مناسک اسی غیر مرئی حقیقت کو محسوس و مشہود شکل میں لانے کے ذرائع و اسباب تھے جن سے اس نظامِ زندگی کو عملاً متشکل ہونا تھا جسے اس نے ''الدین'' کہہ کر پکارا ہے۔

☆☆☆

کائنات میں ہر شے اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جو شے کسی سبب سے آگے بڑھنے سے رک جاتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ آفاقی دنیا کی طرح انسانی دنیا میں بھی یہی قانونِ ارتقاء جاری و ساری ہے۔

☆☆☆

اگر اشتراکیت کے معاشی نظام کے بعض اجزاء اسلام کے معاشی نظام کے بعض اجزاء سے ملتے ہیں تو اس سے اشتراکیت اور اسلام ایک نہیں ہو جاتے۔ ان دونوں میں بُعد المشرقین ہے' ایسا بُعد کہ نہ کوئی اشتراکی مسلمان ہوسکتا ہے نہ کوئی مسلمان اشتراکی۔

☆☆☆

تقلید سے انسان کی نگاہ ایسی غلط انداز ہو جاتی ہے کہ وہی عقل و دانش جو اس کے لئے مابہ الامتیاز تھی' اسے مارِ سیاہ بن کر دکھائی دینے لگ جاتی ہے۔

☆☆☆

انسانی صلاحیتوں کی نشوونما' انسانی معاشرہ سے الگ ہو کر زاویہ نشینی اور خلوت گزینی کے چلوں سے نہیں ہوسکتی۔ یہ ہو سکتی ہے انسانی معاشرہ کے اندر' معاشرتی زندگی میں۔

☆☆☆

صدیوں کی تقلید سے مسلمانوں کا ذہن مساجد کے حجروں اور خانقاہوں کے غاروں کی طرح تاریک ہو چکا ہے۔ جس میں عقل کی روشنی کی کوئی شعاع کہیں سے بار نہیں پاسکتی۔

☆☆☆

حال کے پیش پا افتادہ مفاد بالکل ابھرے ہوئے سامنے ہوتے ہیں۔ لیکن مستقبل کے مفاد نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں لہٰذا مستقبل کے مفاد کے لئے وہی کوشش کرے گا جسے اس کوشش کے اَن دیکھے نتائج پر پورا پورا یقین ہو۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد طاہر بٹ

ہمیں کیسا پاکستان چاہیئے!

وہ خطۂ سرزمین جسے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کہلانے کا فخر حاصل ہوا اللہ تعالیٰ کے کرم، قائداعظمؒ کی ولولہ انگیز قیادت اور برصغیر جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے جذبۂ حریت، ایثار و قربانی اور وحدت فکر و عمل کا ایک عظیم اور تاریخی انعام ہے۔

پاکستان کا قیام مسلمانانِ برصغیر کی عظیم انقلابی تحریک کی اہم منزل تھی جسے حاصل کرنے کے بعد ایک نئے سفر کا آغاز ہوا۔ وطن عزیز کو نظریۂ پاکستان کے مطابق ایک ترقی یافتہ اور خوشحال مملکت بنانے کا سفر۔ لیکن اس سفر میں ہمارے ہمسفر کچھ سامری بھی تھے جن کی تعداد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھتی چلی گئی ہے۔ یہ وہی سامری ہیں جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر الگ خطۂ ارض پر جا بسے تو سامری بھی ہمراہ چلا آیا اور قوم کو حضرت موسیٰؑ کی غیر موجودگی میں گمراہ کرتا رہا۔ وہ ایک سامری تھا یہاں قائداعظمؒ جب آئے تو کئی سامری بھیس بدل کر ہمراہ چلے آئے اور آج تک قوم کو گمراہ کر رہے ہیں اور شاید اسی لئے منزل سامنے نظر نہیں آتی اور ہم بھٹکتے جا رہے ہیں۔ نصف صدی گزر چکی اور اب وقت آ چکا ہے کہ ہم اپنے ماضی کا جائزہ لیتے ہوئے حال کو سمجھیں تاکہ مستقبل کا فیصلہ کیا جا سکے کہ ''ہمیں کیسا پاکستان چاہیئے؟'' اور ہماری منزل کون سی ہے؟ اور اب ہمیں کس ہمسفر کے ساتھ کون سے راستے پر سفر کرنا ہے؟

ماضی

☆ ۱۶۸۵ء میں سیوا جی کے سپوت سنبھا جی بولے ''مسلمان ملیچھوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر صاف کر دو''۔ (تاریخ مہاراشٹر، بھائی پرمانند)

☆ ٹیپو سلطان جیسا مرد مجاہد جب وطن کو انگریز سے آزاد کروانے کی جدوجہد کر رہا تھا (۱۷۸۲ء تا ۱۷۹۹ء) ہندو اس سے لڑتے رہے اور غدار ملت میر صادق کو ابھار کر مسلمانوں کی امیدوں کی ایک اور شمع کو گل کر دیا۔

☆ مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والا اور ان کی عورتوں کو بے حرمت کرنے والا سیدھا سورگ (جنت) میں جائے گا۔ (لالہ دھنپت رائے)

☆ پوری قوم کو جل جانے دو ہم پاکستان کے نام پر ایک انچ زمین نہیں دیں گے۔ (گاندھی)

☆ ۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی سربراہی میں اور ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں نئی تعلیمی پالیسی ''واردھا اسکیم'' بنائی گئی۔ اس اسکیم میں یہ کہا گیا کہ مذہب سب برابر ہیں۔ ''بچوں کو آپ پڑھا نہیں سکتے کہ اسلام دین حق ہے''۔ (کچھ غیرت مند

مسلمانوں کی وجہ سے یہ وارد ھا اسکیم آگے نہ بڑھ سکی۔)

☆ پاکستان کا قیام ایک عارضی حادثہ ہے۔ پاکستان کو مٹا دینے کے لئے ۳۰ کروڑ ہندوؤں کو جان بھی دینی پڑے تو اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔(دیوان چمن لال)

☆ ۱۹۴۷ء میں پاکستان وجود میں آیا تو رام راج کے پجاریوں نے ۱۰ لاکھ مسلمانوں کو شہید کر ڈالا' ان کے محلے کے محلے جلا دیئے گئے' لاتعداد خواتین کو بے حرمت کیا گیا اور اغوا کیا گیا۔ مکان' دکانیں' ٹرینیں لوٹی گئیں۔ پانی میں نیلا تھوتھا کا زہر ملایا گیا۔ مسلمان زندہ جلائے گئے۔ ان کے اعضاء قطع کئے گئے' بچوں کو نیزوں پر اچھالا گیا۔ ہزاروں مسجدوں کو مندروں اور گردواروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ حاملہ خواتین کے پیٹ چاک کر کے جنین تک قتل کئے گئے۔ خود بھارتی حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۴۷ء سے آج تک ملک میں دس ہزار سے زیادہ بلوے مسلمانوں کے خلاف ہو چکے ہیں۔ (کمال یہ ہے کہ کسی ہندو کو ان بلووں کی پاداش میں سزا نہیں دی گئی) دنیا کی تاریخ میں ایسی اندھیر نگری کسی قوم نے نہیں مچائی۔

☆ ''ہندوستان' نظریئے اور عمل دونوں اعتبار سے ایک ہندو اسٹیٹ ہوگی۔ جس کا مذہب ہندو ہو' کلچر ہندو ہو اور حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہو''۔ (ڈاکٹر رادھا مکر جی' نائب صدر ہندو مہا سبھا ۱۹۳۸ء)۔

☆ ''اذان اور نماز کے وقت مسجد کے آگے باجا بجانا ہر ہندو کے دھرم کا حصہ ہونا چاہئے۔'' (لالہ ہردیال ۱۹۲۵ء)۔

☆ بھارت ماتا کے مسلمانوں کا ایک ہی مستقبل ہے کہ وہ دوبارہ ہندو ہو جائیں۔ ایک اور مستقبل بھی ہے کہ انہیں مٹی میں دبا دیا جائے''۔ (مہاشہ کرشن: اخبار پرتاب ۱۹۳۰ء)۔

☆ ''پاکستان کی اسلامی حکومت میں اطاعت صرف اللہ کی ہوگی یعنی قرآن کے اصولوں اور احکام کی۔ اسلام میں درحقیقت نہ کسی بادشاہ یا ڈکٹیٹر کی اطاعت ہے نہ پارلیمنٹ کی نہ کسی اور شخص یا ادارے کی۔ اسلامی حکومت قرآنی اصولوں اور احکام کی حکمرانی کا نام ہے۔'' (قائداعظمؒ ۱۹۴۱ء عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے طلباء سے خطاب)۔

☆ ہندوستان میں ایک قوم نہیں بستی بلکہ مسلمان اور ہندو دو جداگانہ قومیں بستی ہیں (سرسید احمد خانؒ ۱۸۶۵ء)۔

☆ ہندوستان کے مسلم اکثریتی علاقوں میں ان کی آزاد حکومت قائم ہونی چاہئے۔ (علامہ اقبالؒ اجلاس الہٰ آباد ۱۹۳۰ء)۔

☆ تحریک پاکستان کے متعلق نیشنلسٹ علماء' ابوالکلام آزاد' حسین احمد مدنی' مودودی' مجلس احرار' سرخپوش' خان عبدالغفار وغیرہ کا کہنا تھا کہ ہندو ہمیں نماز روزے سے نہیں روکتا تو ہمیں پاکستان کی کیا ضرورت ہے؟

اس کے جواب میں علامہ اقبالؒ نے ارشاد فرمایا:

مُلا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

☆ ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔ ہمیں نہ انگریزوں پر بھروسہ ہے نہ ہندو بنئے پر' ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔ (قائداعظمؒ اجلاس عام پشاور ۲ نومبر ۱۹۴۵ء)۔

☆ ''ہمیں جو دکھ دیا گیا ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ مگر ہمیں پاکستان کو قائم رکھنے کے لئے ابھی اور قربانیاں دینا ہوں گی۔ مسلمان مصیبت میں گھبرایا نہیں کرتا۔ ہمارے حوصلے بلند

ہیں۔ اگر اسی طرح تمام ملت ہمت اور صبر کے ساتھ کام کرتی رہی تو ہماری مصیبتیں انشاء اللہ بہت جلد ختم ہو جائیں گی۔'' (قائداعظمؒ لاہور ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء)۔

☆ خدا کی قسم' جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرۂ عرب میں نہ پھینک دیں' ہم ہار نہ مانیں گے۔ پاکستان کی حفاظت کے لئے میں تنہا لڑوں گا' اس وقت تک لڑوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے۔ مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر کبھی کوئی ایسا وقت آ جائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے جنگ لڑنی پڑے تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں اور پہاڑوں میں' جنگلوں میں' میدانوں میں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں۔ (فرمان قائداعظمؒ: بحوالہ سردار عبدالرب نشتر)۔

☆ خدا نے ہمیں یہ سنہری موقع عطا کیا ہے کہ ہم ثابت کر دکھائیں کہ ہم واقعی ایک نئی مملکت کے معمار ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ خدارا' کہیں لوگ ہمارے متعلق یہ نہ کہیں کہ ہم یہ بار اٹھانے کے قابل ہی نہ تھے۔ (قائداعظمؒ: افواج پاکستان کے افسروں سے خطاب' کراچی ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء)۔

☆ اس مشینی زمانے میں جبکہ انسان کی گمراہ کن ذہانت تباہی و بربادی کے نئے نئے انجن ہر روز ایجاد کرتی رہتی ہے' آپ کو زمانے کے مطابق چلنا پڑے گا اور اپنے علم' ساز و سامان اور اسلحے کو جدید ٹیکنیکوں کے مطابق رکھنا پڑے گا۔ اس لئے نہیں کہ ہم اپنے کسی پڑوسی کے خلاف بری نیت رکھتے ہیں' بلکہ اس لئے کہ ہماری سلامتی کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ ہم کمزور نہ رہیں' ہم پر کوئی اچانک حملہ نہ کر سکے۔ اس سے زیادہ ہماری کوئی خواہش نہیں ہے کہ ہم امن و امان کے ساتھ رہیں' دوسروں کو امن و امان سے رہنے دیں اور بیرونی مداخلت کے بغیر اپنے نقطہ نظر کے مطابق اپنے ملک کو ترقی دیں اور عام انسان کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنائیں۔ بے شک یہ بہت مشکل اور کٹھن کام ہے لیکن اگر ہم شوق اور خلوص سے کام کرنے کا عزم کر لیں اگر ہم اپنی قوم کے اجتماعی مفاد کی خاطر بڑی سے بڑی قربانیاں دینے کے لئے تیار رہیں تو ہم اپنا نصب العین بہت جلد حاصل کر لیں گے۔ (قائداعظمؒ: بری فوج کے جوانوں سے خطاب' ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء)۔

☆ کشمیر سیاسی اور فوجی اعتبار سے پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کوئی خوددار ملک اور قوم یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اپنی شہ رگ کو دشمن کی تلوار کے حوالے کر دے۔ (قائداعظمؒ: وفات سے چند روز قبل)۔

☆ ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء قائداعظمؒ کے فرمان کی تعبیر کے مطابق پاکستان ایٹمی طاقت بن گیا۔

☆ ''میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں'' (وزیراعظم میاں محمد نواز شریف)۔

حال

☆ دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان بستے ہیں اور ان پر ظلم و ستم کیا جا رہا ہے تو کیا پاکستان ان کی حمایت یا مدد سے گریز تو نہیں کر رہا؟

☆ ڈاکٹر ذاکر حسین کی سربراہی میں اور ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں نئی تعلیمی پالیسی ''واردھا اسکیم'' بنائی گئی تو کیا اب بھی پاکستان میں کسی دوسری قوم کو خوش کرنے کے لئے تعلیمی پالیسی تبدیل تو نہیں کی جا رہی؟

☆ دیوان چمن لال کا بیان کہ ''پاکستان کا قیام ایک عارضی حادثہ ہے''۔

کیا ہمارا آج کا عمل اس کو سچ ثابت کرنے میں مدد تو نہیں کر رہا؟

☆ ''بھارت ماتا کے مسلمانوں کا ایک ہی مستقبل ہے کہ دوبارہ ہندو ہو جائیں''۔

کیا ہندوستان میں موجود مسلمانوں کے ساتھ پاکستان کے مسلمانوں کو بھی ہندو تو نہیں ہونا پڑے گا؟

☆ ''پاکستان کی اسلامی حکومت میں اطاعت صرف اللہ کی ہوگی یعنی قرآن کے اصولوں اور احکام کی''۔ (قائداعظمؒ)۔

کیا پاکستان میں اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی تو نہیں؟

کیا پاکستان کے حکمران بھی اللہ کے احکامات کی بجائے کسی نہ کسی بیرونی طاقت کے احکامات کے تابع تو نہیں؟

☆ پاکستان بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

کیا علماء پاکستان بننے کے بعد بھی اس بات کو سمجھ سکے ہیں یا نہیں؟

☆ ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔ ہمیں نہ انگریزوں پر بھروسہ ہے نہ ہندو بننے پر۔ (قائداعظمؒ)۔

کیا آج ہم کسی ایسے ہی دشمن کو دوست تو نہیں بنا رہے جو دوست بن کر آستین کے سانپ کا کردار ادا کرے؟

☆ کیا آج کے ہمارے عمل سے بزرگوں کی دی گئی قربانیاں رائیگاں تو نہیں ہو رہیں؟

☆ کیا پاکستان کی حفاظت کی بجائے اپنی ذاتی حفاظت کے پیش نظر ایک دفعہ پھر بغیر لڑے جنگ تو نہیں ہاری جا رہی؟

☆ کیا ہم اپنی شہ رگ کو ہندو رام راج کی میٹھی چھری کے حوالے کر کے اس قربانی کے بکرے کی طرح تو نہیں کر رہے جو قربان ہو جاتا ہے اور احتجاج بھی نہیں کرتا؟

☆ کیا ہم اپنی حفاظت کرنے والی ایٹمی طاقت کو بکنے والی چیز تو نہیں سمجھ رہے؟

☆ کیا اپنے وطن کی حفاظت کرنے والی اسلام کا سربلند رکھنے والی تلوار' طاؤس و رباب کے نشے میں زنگ آلود تو نہیں ہو رہی؟

☆ کیا پاکستان کے حالات پاکستان بننے سے پہلے جیسے تو نہیں ہو رہے؟

مستقبل

آج پاکستان اور عالم اسلام ایسے مقام پر کھڑے ہیں کہ پوری امت مسلمہ کے ہاتھ اللہ کی جانب اٹھے ہوئے ہیں اور حسرت بھری نظریں اسلام کے قلعہ پاکستان کی جانب دیکھ رہی ہیں۔ شاید یہ کہتے ہوئے کہ کون سی جماعت مومنین ہے جو اللہ سے کئے وعدے کو یاد کرے گی اور پورا کرنے کے لئے میدان میں آئے گی۔

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہمیں من حیث القوم سوچنا ہوگا کہ ہمارا مستقبل کیا ہے؟ ماضی کو یاد کرتے ہوئے ہمارا حال ہمیں سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ہمیں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے کی بجائے کوئی اور لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا وگرنہ (خاکم بدہن) ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

ہمیں اپنے مستقبل کے لئے فیصلہ کرنا ہوگا کہ ''ہمیں کیسا پاکستان چاہئے؟''۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درس نظامی

حضرت امام مہدی کی آمد کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے

انسانیت کو جو علوم وحی کے ذریعے ملے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صحیح ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ ہوتے ہیں۔ لیکن بشری عقل سے جو علوم حاصل ہوتے ہیں وہ غلطی وسہو سے مبرا نہیں ہوتے۔ وحی خداوندی اور علم انسانی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اللہ نے انسان میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ وہ تجربے، مشاہدے، غور وفکر اور تفحص وتعقل سے علوم حاصل کرتا ہے یہ علوم اس کو اس کے حواس کے ذریعے ملتے ہیں اس لئے اس علم کو ادراک بالحواس کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں دو آیات کریمات میں اس علم کو خود Define کر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ولا تقف مالیس لک به علم ان السمع والبصر و الفؤاد کل اولئک کان عنه مسئولاً (17:36)۔

جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ لگ جاؤ، تمہاری سماعت، بصارت اور عقل ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لهم قلوب لا یفقهون بها ولهم اعین لا یبصرون بها ولهم اذان لا یسمعون بها (7:179)

ان کے دل ہیں مگر وہ غور نہیں کرتے، ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ نہیں دیکھتے، ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے نہیں سنتے۔

ان دونوں آیات کریمات میں قرآن کریم نے علم کو Define کر دیا ہے کہ علم حاصل کرنے کے ذرائع حواس انسانی ہیں، اسی وجہ سے اس علم کو علم بالحواس کہا جاتا ہے۔

اس کے برخلاف ایک علم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا تھا، جس میں علم حاصل کرنے والوں کے خیالات و احساسات کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ اس علم کو وحی خداوندی کہا جاتا ہے اور جسے یہ علم عطا کیا جاتا تھا وہ رسول یا نبی کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ وحی خداوندی کا نزول اس اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے آگے اور پیچھے محافظ لگا دیتا تھا تاکہ وحی میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہونے پائے اور اس لئے بھی کہ وہ (اللہ تعالیٰ) جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے (26:28)۔ اس اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ وحی الٰہی میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو جائے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود ہی اپنے ذمہ لے لی۔

قرآن کی ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے صرف دو ہی ذریعے تھے، ایک عقل انسانی اور دوسرا وحی

الٰہی۔ اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ علم حاصل کرنے کا نہیں تھا اور چونکہ اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اس لئے اب علم حاصل کرنے کے دو ذریعے عقل انسانی اور قرآن کریم ہیں۔ وحی صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی تھی جس کی وضاحت ان دو آیات کریمات میں کر دی گئی ہے۔

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبه احدًا الا من ارتضی من رسول (72:26)۔

وہی غیب دان ہے اور اپنی غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا، مگر جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔

نیز ارشاد ہوا:

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسله من یشاء (3:179)۔

خدا ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی باتیں بتا دے مگر وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے غیب بتانے کے لئے چن لیتا ہے۔

انبیاء کرام کے علاوہ نہ تو کوئی شخص وحی میں شامل ہو سکتا تھا اور نہ ہی یہ بات جان سکتا تھا کہ وحی کے نزول کے وقت انبیاء کرام کی کیا کیفیت ہوتی تھی، وہ کیفیت صرف انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہوتی تھی۔ نیز ان آیات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ انسانیت کو علم خداوندی حاصل ہونے کا واحد ذریعہ وحی الٰہی تھا۔ اس کے علاوہ کوئی ذریعہ علم خداوندی حاصل ہونے کا نہیں تھا۔ انبیاء کرام کو بھی گذشتہ واقعات یا آئندہ امور کے متعلق جن باتوں کا علم دیا گیا وہ صرف وحی کے ذریعے دیا گیا۔

ذلک من انبآء الغیب نوحیه الیک 3:43 نیز 11:49, 12:102۔

انبیاء کرام کے پاس بھی علم حاصل کرنے کے دو ہی ذریعے ہوتے تھے، ایک تو ان کی عقل سلیم اور دوسرے وحی الٰہی، کوئی تیسرا ذریعہ ان کے پاس بھی علم حاصل کرنے کا نہیں ہوتا تھا، اس بات کو قرآن کریم نے باصرار واضح کیا ہے اور اس بات کو اہمیت دی ہے کہ انبیاء کرام کے پاس ان دو ذرائع کے علاوہ کوئی اور ذریعہ اکتساب علم کا نہیں ہوتا تھا۔

سنت اللہ یہی ہے کہ دیگر انبیاء کرام کی طرح، حضور اکرم ﷺ کے پاس بھی علم حاصل کرنے کے دو ہی ذریعے تھے، ایک تو ان کی عقل سلیم و بصیرت انسانی اور دوسرے وحی الٰہی جو صرف اور صرف قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم حاصل ہوا وہ صرف قرآن کریم ہی حاصل ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وما علمنه الشعر وما ینبغی له، ان ھو الا ذکر و قران مبین (36:69)۔

اور نہیں سکھایا ہم نے اس کو شعر اور نہیں لائق اس کے وہ، نہیں وہ بجز ایک نصیحت اور روشن کتاب (موضح القرآن)۔

اس آیت کریمہ میں نفی و اثبات کے حصر کے ساتھ واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کو جو بھی تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی تھی وہ صرف اور صرف ذکر یعنی قرآن کریم ہے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی تعلیم کی نفی کر دی گئی ہے۔ کیونکہ یہاں جو ضمیر کا مرجع تعلیم ہے اور جو بھی تعلیم دیا گیا ہے وہ صرف ذکر یعنی قرآن ہے۔ ذکر کی وضاحت

خود قرآن نے سورہ حم سجدہ میں یوں فرمائی کہ:

ان الذین کفرو بالذکر لما جاء ھم وانہ لکتب عزیز o لا یاتیہ الباطل من بین یدھہ ولا من خلفہ تنزیل من حکم حمیدo(41:41-42)-

تحقیق وہ لوگ کہ کافر ہوئے ساتھ ذکر کے جب آیا ان کے پاس اور تحقیق وہ اللہ کی ایک کتاب ہے عزت والی۔ جھوٹ اس کے پاس نہیں آتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے' اتاری گئی ہے حمید وحکیم کی طرف سے۔

اس آیت کریمہ نے ذکر کی خود وضاحت فرمادی کہ ذکر قرآن ہے اور قرآن کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ البتہ ایک اشکال یہاں ذکر اور قرآن کے درمیان والی واؤ کا بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے۔ اس لئے قرآن اور ذکر دو مختلف چیزیں ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ واؤ عاطفہ نہیں ہے بلکہ یہ واؤ بیانیہ ہے جو قرآن کریم میں بکثرت واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق (9:33)-

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی دین حق کے ساتھ بھیجا۔

اگر اس آیت میں واؤ کو عاطفہ سمجھا جائے جو مغائرت کی متقاضی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہدایت اور چیز ہے اور دین اور چیز ہے اور دین میں ہدایت نہیں ہے جو بالبداہت غلط ہے لہٰذا یہاں واؤ' واؤ بیانیہ ہی لی جا سکتی ہے۔ اسی طرح ذکر اور قرآن کے درمیان واؤ بیانیہ تفسیر یہ ہے جس کے معنے ہیں کہ حضورﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم صرف ذکر یعنی قرآن کیا گیا ہے اور حضورﷺ کو کوئی چیز الہام یا القاء نہیں کی گئی ہے۔

ویسے بھی جو حضرات الہام یا القاء کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی وحی اور الہام کی مثال ایسی ہے جیسی بجلی اور موم بتی کی۔ بجلی کی موجودگی میں موم بتی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے' اسی طرح جس مبارک ہستی کو وحی جیسی روشن ومنور ہدایت ملتی ہو' اسے الہام و القاء کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ کے سلسلہ میں یہ اضافہ کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو' تو حرف استثناء حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں بھی حرف استثناء **الا** حصر کا کام دے رہا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اپنے نبی کو صرف قرآن کی تعلیم دی ہے اور اس کے علاوہ کوئی تعلیم نہیں دی۔

اس طویل تمہید کے بعد اب اصل عنوان کی طرف مراجعت کی جاتی ہے یہ بات ثابت کی جارہی ہے کہ حضورﷺ کے پاس معلومات حاصل کرنے کے دو ہی ذرائع تھے ایک ان کی بصیرت انسانی اور دوسرے قرآن کریم۔ گذشتہ وآئندہ کے واقعات جن کا علم حضورؐ کو دیا گیا وہ بھی صرف وحی سے دیا گیا' جو صرف قرآن میں محفوظ ہے اور جن کا ذکر قرآن کریم میں آ گیا ہے۔ وحی الٰہی یعنی قرآن کریم کے علاوہ آپ کے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے آپ کو آئندہ کے واقعات کا علم ہوتا۔ رسول اللہﷺ قرآن کے علاوہ اور کوئی غیب کا علم نہیں رکھتے تھے۔ 72/26,3/ 179, 12/102, 11/49, 3/44, 7/188, 6/50۔

لہٰذا چونکہ حضرت امام مہدی کی آمد کا کوئی ذکر قرآن

کریم میں نہیں ہے' لہٰذا یہ نظریہ قرآن کے خلاف ہے' اور اس سلسلہ میں علماء کرام بھی کوئی آیت پیش نہیں فرماتے۔ اس مضمون کے رقم کرنے کی غایت ہی صرف یہ ہے کہ جبکہ حضورﷺ کو آئندہ کے واقعات کا علم صرف وحی کے ذریعے دیا جاتا تھا اور وحی صرف قرآن میں محفوظ ہے' اس لئے وہ تمام باتیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور جو آئندہ کے واقعات کے متعلق حضورﷺ کی طرف منسوب کی جائیں وہ وضعی اور قرآن کے خلاف ہیں۔

اس لئے آمدِ مہدی وغیرہ نظریات سب قرآن کے خلاف ہیں اور ہم مسلمانوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ خلافِ قرآن عقائد جس قدر جلدی ترک کر دیں وہ ہمارے لئے بہتر ہے۔

☆☆☆☆

مختلف ٹی۔وی چینلز پر اس قسم کے پروگرام آ رہے ہیں جو بالکل قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ ان میں استخارہ' بولتے ستارے قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ ARY Digital پر کئی مرتبہ ڈاکٹر شاہد مسعود صاحب نے آمد مہدی کے متعلق پروگرام کئے جس میں ڈاکٹر اسرار صاحب اور ایک شیعہ عالم نے گفتگو کی۔ گفتگو مجموعی طور پر سطحی ہے اور اس کا سارا دارومدار وضعی احادیث پر تھا۔ قرآن کریم سے مطلقاً استناد نہیں کیا گیا۔ چونکہ قرآن کریم سے کوئی استناد نہیں کیا گیا' اس لئے اس مسئلہ کے متعلق محترم خواجہ ازہر عباس صاحب کا موقف پیش کیا جاتا ہے جو کہ انہوں نے قرآن کریم کی روشنی میں تیار کیا ہے۔

(ایڈیٹر ماہنامہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابنِ آدم

رجم کا ناقابل تردید ثبوت

اگرچہ احادیث میں یہ آیا ہے کہ جن ابنائے اسرائیل کو خنزیر اور بندر بنا دیا گیا تھا وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہے اور ان کی نسل نہ چل سکی لیکن یہ امکان ہے کہ شاید ایک آدھ جوڑا عذاب ہلاکت سے بچ گیا ہو اور اس کی نسل چل نکلی ہو اور انہوں نے آئندہ متبع شریعت رہنے کا عہد کر لیا ہو۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دنیا میں ان ہی بنی اسرائیل کی ایک شاخ باقی رہ گئی تھی جو اگرچہ رہی تو بندر ہی، لیکن ڈارون صاحب کے قانون ارتقاء کے مطابق پھر انسان بن جانے کی توقع میں باقاعدہ اتباع شریعت کا خیال رکھتے ہوں۔ چنانچہ دیکھئے دنیا کی سب سے زیادہ معتبر کتاب میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، یہ روایت درج ہے کہ:

عن عمرو بن میمون، قال رأیت فی الجاھلیۃ قردۃ اجتمع علیھا قرود زنت فرجموھا فرجمتھا معھم۔

یعنی میں نے ایام جاہلیت میں ایک بندری کو دیکھا کہ بہت سے بندر اس کے گرد جمع ہیں۔ اس بندری نے زنا کیا تھا لہٰذا بندروں نے اسے رجم کیا اور میں بھی ان بندروں کے ساتھ رجم کرنے میں شریک رہا۔

ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں ہونا چاہئے کہ:

جس بندر نے اس بندری کے ساتھ زنا فرمایا تھا وہ خود کہاں بھاگ گیا اور اسے رجم (سنگسار) کیوں نہیں کیا گیا؟ ہوسکتا ہے کہ وہ کہیں نکل بھاگا ہو، یا گرفتاری سے پہلے ہی مر گیا ہو، یا بندری حاملہ پائے جانے کی وجہ سے ماخوذ ہوگئی ہو اور اس نے زانی بندر کا پتہ بتانا مناسب نہ سمجھا ہو۔

یہ تحقیق کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ:

وہ محصنہ تھی یا غیر منکوحہ۔ قرینہ یہ ہے کہ وہ محصنہ ہوگی اور اس کا کسی بندر سے باقاعدہ نکاح شرعی ہوا ہوگا جب ہی تو اسے رجم کیا گیا۔

اس بحث میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں کہ:

اس بندری نے خود ہی حلفیہ اقرار کر کے اپنی تطہیر کی خواہش ظاہر کی تھی یا دوسرے گواہوں نے شرعی عینی شہادت (کالمیل فی المکحل کی) دی تھی۔ بہرحال کچھ ہوا ہی ہوگا۔

یہ دریافت کرنے کی بھی چنداں حاجت نہیں کہ:

راوی کو بندری کے جرم زنا کی خبر عوام بندروں نے دی تھی یا بندروں کے قاضی صاحب نے۔ ظاہر ہے کہ جب

رجم ہو رہا تھا تو ایک محصنہ کے زنا ہی کی سزا میں ہو رہا ہو گا۔ اس لئے اسے قطعی قرائن سے معلوم کرنے کے بعد راوی نے بھی اس نیکی میں شرکت کرنے کے لئے رجم میں ساتھ دے دیا۔

بہرکیف خواہ مخواہ ان شبہات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھنا تو صرف یہ ہے کہ رجم زانی ایک ایسی فطری سزا ہے جو بندروں تک میں مقبول ہے۔ مگر یہ اشرف المخلوقات انسان عجیب مخلوق ہے جو بندروں سے ایک دو درجے اوپر ہونے کے باوجود اس سزا کو نافذ کرنے سے ہچکچاتا ہے حالانکہ صاف صاف قرآن کی آیت موجود ہے کہ:

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فار جموھما البتۃ الخ

شیخ اور شیخہ زنا کریں تو ان دونوں کو قطعاً رجم کردو۔

اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ شیخ اور شیخہ کے معنی لغت عرب میں محصن اور محصنہ ہی کے ہیں۔

آپ زیادہ سے زیادہ یہی پوچھ سکتے ہیں کہ یہ کس پارے، کس سورہ اور کس رکوع کی آیت ہے؟ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ جس آیت کا صحیح حوالہ نہ دیا جا سکے وہ آیت ہی نہ ہو۔ آخر ایسی بھی تو آیتیں ہیں نا جو قرآن میں اگرچہ موجود نہیں لیکن ہیں وہ آیتیں۔

اس فقرے کے آیتِ قرآنی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ (بروایت ابن عباسؓ) حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ:

اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر نے قرآن میں اضافہ کر دیا تو میں اس آیت کو ضرور داخلِ قرآن کر دیتا (رواہ الخمسہ)

آپ اس پر صرف یہی شبہ وارد کر سکتے ہیں کہ اگر یہ آیت قرآن میں موجود نہیں تو قرآن کی محفوظیت کا دعویٰ کیونکر صحیح ہوا ہے لیکن یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ محفوظیت کے یہ معنی تو نہیں کہ قرآن کے اندر ہی محفوظ ہو۔ محفوظ ہونا چاہئے خواہ کسی جگہ ہو۔ چنانچہ یہ آیت رجم بھی احادیث میں محفوظ ہے۔ انا لہ لحٰفظون میں اب کیا شبہ رہ جاتا ہے؟

حمیدی فرماتے ہیں کہ غالباً یہ روایت (کہ بندروں نے بندری کو سنگسار کیا) بخاری میں الحاق کر دی گئی ہے۔ لیکن ہم لوگوں کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری کے متعلق ہرگز ایسے سوئے ظن سے کام نہیں لینا چاہئے کہ اس میں کوئی روایت الحاقی بھی ہوگی۔ قرآن سے کسی آیت کا (آیت رجم کی طرح) غائب ہو جانا اور نہ لکھا جانا تو سمجھ میں آ سکتا ہے لیکن یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ اصح الکتب میں کوئی روایت الحاق کر دی گئی ہوگی۔ درانحالیکہ امام بخاریؒ نے بقول حمیدی تاریخِ کبیر میں بھی یہ روایت نقل فرمائی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں **قد زنت** (اس بندری نے زنا کیا تھا) کا لفظ نہیں۔۔۔۔ حمیدی نے اس روایت کو الحاق بتانے کی تکلیف بے کار کی ہے۔ جب انسان نے جانوروں سے اتنا کچھ اور سیکھا ہے تو کچھ بندر بھی یہ بتا سکتے ہیں کہ دیکھو شریعت موسوی (یا آئندہ نازل ہونے والی آیت رجم) پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے۔

کیا اب بھی آپ کو رجم کے اسلامی سزا ہونے میں شک ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرۂ کتب

کتاب : بڑا آدمی کون؟
مصنفہ : ثریا کوثر قیصرانی
تبصرہ نگار : محمد سلیم اختر
قیمت : 70 روپے
ناشر : مثال پبلشنگ۔ 22A' حبیب بینک بلڈنگ' چوک اردو بازار' لاہور۔

☆☆☆

بچوں کے لئے مختصر کہانیوں کا یہ مجموعہ **محترمہ ثریا کوثر قیصرانی** کی کاوش ہے۔

ہمارے ہاں بچوں کے لئے انہی کے ذہنی معیار کو سامنے رکھ کر بہت کم لٹریچر لکھا گیا ہے۔ اردو زبان میں تحریر کی گئی کہانیوں میں چونکہ کردار بالعموم جنوں' پریوں' دیو' بھوت پریتوں' بادشاہوں' شہزادوں' شہزادیوں یا پھر جانوروں کی دنیا کے باسی ہوتے ہیں سو اِن سے کردار سازی کے حوالہ سے کوئی فائدہ ہونا تقریباً ناممکن سی بات ہے۔

اخلاقی اور اصلاحی حوالہ سے دو طرح کے کام ملتے ہیں۔ ایک تو مذہبی کتابیں ہیں جن کے مؤلفین اپنے اسلامی جوش و جذبہ میں معلومات کی اس قدر بھرمار کر دیتے ہیں کہ وہ بے حد مفید ہونے کے باوجود بچوں کے لئے اپنی دلچسپی برقرار نہیں رکھ پاتیں حالانکہ ان میں سے اکثر میں زبان بھی سادہ اور عام فہم استعمال ہوئی ہے۔ دوسرے وہ کتابیں ہیں کہ جن کے کردار یا تو مافوق الفطرت ہوتے ہیں یا پھر ہمارے معاشرے اور معاشرتی اقدار سے اُن کا کوئی تعلق واسطہ نہیں بنتا۔

ثریا کوثر قیصرانی نے ایسی کہانیوں کا مجموعہ تیار کیا کہ جن کے کردار ہر گھر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ زبان اتنی سادہ رکھی ہے کہ دوسری جماعت کے طالبعلم بھی بخوبی پڑھ اور سمجھ سکیں۔ اگرچہ ہر کہانی کسی خاص مستقل قدر کو اجاگر کرتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ روایتی انداز کی مذہبی کتاب بھی نہیں ہے۔

اس مجموعہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اکثر کہانیاں اس انداز سے تحریر کی گئی ہیں کہ اساتذہ یا والدین کی تھوڑی سی راہنمائی سے انہیں ڈرامہ کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

خوبصورت اور چار رنگوں میں تیار کیا گیا ٹائٹل' مضبوط جلد بندی' اعلیٰ سفید کاغذ اور ہر صفحہ پر دو رنگ کی چھپائی اس کتاب کو مزید دلکش بنانے کا سبب ہیں۔ بچوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر صفحے کو بارڈر سے مزین کیا گیا ہے۔ طباعت انتہائی معیاری ہے۔ کتاب ''طلوع اسلام ٹرسٹ''

سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

کتاب : ابنِ مریم' پرویز اور طاہر سورتی

مصنف : عصمت ابوسلیم

صفحات : 102

خصوصی قیمت : 20 روپے

ناشر : سرسید میموریل لائبریری' کالج سٹاپ' جی ٹی روڈ' باغبانپورہ' لاہور۔

مبصر : شیخ اللہ دتا

☆☆☆

زیرنظر کتاب ''ابنِ مریم'' محترم عصمت ابوسلیم کی تصنیف ہے جو علامہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی مرحوم کی کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' کا ناقدانہ جائزہ ہے۔ علامہ مرحوم ایک ایسے علمی گھرانہ کے چشم و چراغ تھے جو ہندوستان میں اہلحدیث مکتبہ فکر کا علمبردار تھا۔ ان کے والد گرامی علامہ محمد سورتی (وفات 1361ھ) اہلحدیث علمائے ہند میں بلند مرتبہ ومقام رکھتے تھے۔ علامہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی مرحوم خود بھی عربی کے فاضل تھے اور عربی زبان ولغت پر ان کی گہری نظر تھی۔ پاکستان میں عربی زبان کی ترویج کے لئے انہوں نے ''پیارے نبیؐ کی پیاری زبان'' کے نام سے کئی حصوں پر مشتمل ایک منفرد کورس تیار کیا جو چھپ کر عوام اور عربی کے طلباء کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا۔ انہوں نے انجمن ترقی عربی (پاکستان) کی بنیاد بھی رکھی' جس کی خدمات قابل قدر ہیں۔

کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' علامہ طاہر سورتی مرحوم کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے علامہ غلام احمد پرویز مرحوم (وفات 1984ء) کی کتاب ''شعلۂ مستور'' میں دی گئی ان کی قرآنی تصریحات وتشریحات پر گرفت کی ہے جو ان کے نزدیک صحیح نہ تھے۔ یہ کتاب المکتبہ العلمیہ' 15 لیک روڈ' لاہور نے شائع کی تھی جس کے مدیر نے علامہ طاہر سورتی کے تعارف میں لکھا ہے کہ پرویز صاحب نے اپنی لغات القرآن آخر میں آپ ہی سے نظرثانی کرائی' اس طرح انہیں پرویز صاحب کے لٹریچر کے مطالعہ وتجزیہ کا موقعہ ملا۔ نظرثانی کرانے کا معاملہ تو واضح طور پر محل نظر ہے کیونکہ نظرثانی تو درستی کے لئے ہوتی ہے جو نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے الگ سے اختلافی امور کو اٹھایا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ انہوں نے پروف ریڈنگ وغیرہ میں حصہ لیا ہو۔

علامہ غلام احمد پرویز گزشتہ صدی کی متنازع سہی لیکن بلاشبہ ایک بہت بڑی شخصیت تھے' جنہوں نے عہد ساز اثرات چھوڑے ہیں۔ عربیت میں وہ اپنے ابتدائی اساتذہ کے علاوہ علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوریؒ سے مستفید ہوئے۔ اس لئے ان کی تنقیحات کو یک قلم مسترد کرنے میں تامل ہونا چاہئے۔ بہرحال علامہ طاہر سورتی نے جو نکات اٹھائے ہیں ان پر محترم عصمت ابوسلیم نے ماہرانہ گرفت کی ہے اور ان کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔

محترم عصمت ابوسلیم بھی عربی زبان ولغت کے بڑے آشنا ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی ہیں' پاکستان میں عراقی سفارت خانہ میں قریب دس سال تک مترجم کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ عربی اردو انگریزی مجلّہ

اخبار العرب میں دو سال تک اردو سے عربی میں ترجمہ اور تبیین کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے۔ ان کے کئی تحقیقی مقالات ملکی رسالوں میں شائع ہوکر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اس وقت ستر کے پیٹے میں ہیں' قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر میں خصوصاً عربی گرامر کے حوالہ سے خاصی مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی علامہ طاہر سورتی کے استدلال پر گرفت خاصی اہم اور اکثر مقامات پر مسکت ہے۔

''ابن مریم'' کی اشاعت کے وقت علامہ عبدالرحمٰن طاہر سورتیؒ اور علامہ غلام احمد پرویزؒ دونوں مرحوم ہو چکے ہیں اس لئے اس ناقدانہ تبصرہ کی توثیق یا تنقیص کی پوزیشن میں نہیں۔ اس وقت قاری کی بصیرت سے ہی اس کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ قرآنی آیات کا خود جائزہ لے لیکن پہلے سے قائم عقائد کی عینک اتار کر جانچے اور دیانتدارانہ فیصلہ کرے۔

مجھے حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ پیدا ہونے کے عقیدہ اور مروج تشریحات سے خاصی آشنائی ہے۔ مفسرین نے دور از کار باتیں بھی کی ہیں۔ اس سے قبل ایک جید اہلحدیث عالم حافظ عنایتؒ اللہ اثری گجراتی ثم وزیرآبادی نے بھی احادیث کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن باپ کے پیدا نہ ہوئے تھے۔ ان کی وقیع تشریحات کو ان کی کتاب ''عیون زمزم'' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اب ان کے شاگرد علامہ عبدالکریم اثری اس بات کے داعی ہیں۔

بات اہلحدیث' اہل سنت یا دیگر مکتبہ ہائے فکر کے نقطہ نظر کی نہیں بلکہ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس عقیدہ کا قرآن کریم کی روشنی میں جائزہ ہمیں کس مقام پر پہنچاتا ہے۔ محترم قاری حضرات سے التماس ہے کہ آپ شعلۂ مستور' ابن مریم اور پرویز' زیرنظر کتاب ابن مریم اور ممکن ہو تو ''عیون زمزم'' کا مطالعہ کریں اور پھر نئے سرے سے حدیث مبارکہ:

.....ان عیسیٰ حملته امه کما تحمل المرأة ثم وضعته کما تضع المرأة ولدها ثم غذی کما تغذی المرأة الصبی.....

(مریم کو اسی طرح حمل ہوا جس طرح سارے جہان کی عورتوں کو حمل ہوا کرتا ہے اور پھر اس نے اسے اسی طرح وضع کیا جیسے کہ عورتیں اپنے اپنے حملوں کو وضع کیا کرتی ہیں اور پھر اسی طرح دودھ پلا کر پرورش کیا جیسے دیگر عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر پرورش کیا کرتی ہیں' کوئی خصوصیت نہیں)۔

(درمنثور۔ مسجد نبوی میں عیسائیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مناظرہ' منقول بہ ابنِ جریر والی حاتم)۔ (عیونِ زمزم' صفحہ 105-106)۔

اور سورہ مریم کی قرآنی آیات نمبر 16 تا 34 کا از خود مطالعہ کریں جس کا اختتام اس پر ہوتا ہے:

ذالک عیسیٰ ابن مریم ج قول الحق الذی فیه یمترون O

ترجمہ: یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں' ایسی حق کی بات جس کے بارے میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔

MISFORTUNE OF THE HUMAN FEMALE

An Excerpt Chapter from the Translation of
Kitab-ut-Taqdir By G. A. Parwez
English Rendering By
Prof. Khalid Sayyed, UK.

==========

Addressing the Annual TOLU-E-ISLAM Convention in March 1966, I read a paper titled '*Allah's* Will'. It met with widespread appreciation. Here, I quote from the paper a fictional story meant to illustrate my point about the misfortune of the human female:

> '*Noor Khan's* wife had born four girls, one after the other. Each female birth had enveloped the family in a melancholic depression. After the birth of the fourth girl*, Noor Khan*, pressured by his parents and close relatives, had decided to take a second wife. He postponed it only after the wife had woefully pleaded with him, but had told her his firm intention of taking a second wife if she gives birth to one more girl. Unfortunately, she did bear a girl for the fifth time in a row. The wife was having fainting spells due to a sinking heart. The family was annoyed with her. The husband refused even to see her. She used to cry out alone! Female neighbors would visit and console *Noor Khan's* wife saying: 'It is all *Allah's* will. He decides who begets male offspring or female. Crying won't change anything. Nobody can alter what Allah has pre-ordained. Be patient and learn to live with it. No divine action is without goodness. He has every right to decide His creatures' fate. King *Soleman* once harbored some disapproving feelings about a divine decision. He was punished to work in a bakery for 12 years! So, don't complain! The Almighty applies His law almost inconsiderately!'

Dejection over Female Births

Later in the chapter we shall examine the notion it is Allah who decides, of His own sweet will, who begets what (boys or girls). First, however, let us ponder over widespread reaction, especially in Oriental societies (in particular among the Muslims of the sub-continent of India, Pakistan and Bangladesh), of despair over the arrival of a female baby. The situation is quite common, by no means restricted to the lower (poor and uneducated) strata of society. Even the claims of broad-mindedness, on the part of the elite, belie undercurrents of the same mood. One reason for this attitude is economic as females are economically dependent on men in a male-dominated society. Secondly, there is the fundamental reason of the female being

considered as naturally inferior to the male. Let us examine the validity of this particular notion.

Women and Religion

The Hindu philosophy treats women like a commodity which remains in a man's (her father, husband and son) possession all her life. She is not allowed to own anything. She gets whatever she does as charity, not as of right. As a wife, she may have to take more husbands than one. The *'Mahabhart'* records *Dropedy* as having five husbands who lost her in a gambling bet! According to *'Prans'*, *Narpasi Kamya* was wedded to seven men. Another lady with the name of *Warkashi* was the shared wife of the ten *Parchita Brahmin* brothers who were well-versed in religious literature. Since the religious code was authored by Brahmins (the highest caste), they enjoy special privileges under law. The holy book *'Hatherved'* (and also *'Ragved'*) records:

> 'A woman claimed as his by a Brahmin is his property even if she has had ten non-Brahmin husbands. It is because Brahmins are the rightful owner of women.'

Woman in the Torah and Christianity

The Torah says: God created Adam and woman (EVE) was created out of his side (rib) to alleviate his boredom and loneliness. Eve subsequently got deceived by the Devil and she tempted Adam who was eventually expelled from Paradise. This story is the basis of the Christian view of woman as the source of all evil. Every human child is born with the original sin of Adam and Eve. The only way to salvation is the belief in Christ's sacrifice on the cross. The female, being the source of evil, is detestable enough not to be touched. That forms the basis of Christian saints leading a life of celibacy. So much so that early Christian history records a sect called the *Valesians* who voluntarily castrated themselves to be close to God. The Christian belief that the female cannot enter Paradise presented the problem of Mary. It was resolved by saying that all females shall be transformed into males in the Hereafter. St. Paul preached that the male begot the female rather than the other way round; since the female was created for the male's sake, she must stay inferior to him in status.

Philosophers

Thinkers of the human race have not treated women any better. Aristotle, the original thinker, preached that women were inferior to men in every aspect. He believed women had 28 teeth against men's 32! He said, 'Suffice to say that Woman reflects a flaw in Nature's plan.' *Plato* used to say: "A good woman is an impossibility. Every other woman is worse than the previous one." In the modern age, *Rousseou*, the initiator of concepts like human rights and democracy, said,

'Woman has been created solely for the purpose of obeying and serving Man and bear his injustice.' Upto the 19th Century, the Western researchers believed that 'the very first animal to be domesticated by Man was Woman.' It seems only yesterday that Queen Victoria of Britain, a woman herself indeed, commented angrily on the new movement for the rights of women:

> 'Her Majesty the Queen strongly desires to get support and help, oral or written, of all intellectuals who can do something to put an end to this mixture of feminine stupidity and madness. The problem is too infuriating for Her Majesty to contain her anger. God has created men and women differently. Therefore, women must stay within their limits.'

Sadly, the situation has not improved upto the present day. H. L. Mencken writes: 'The concept of love has been invented to inculcate the false notion that one woman is different from another. This is an illusion. All women are alike *C. O. Skinner* says: 'The most fantastic of human concepts is the idea that the female also contains some good.'

At present, the United States represents the apex of human civilization where women are supposed to have been emancipated. It is saddening to note from a semi-official publication, Dialogue (Number 4, volume 3, September 1970), that the research therein tries to prove that women should not be considered equal to men.

The Quran

The mistreatment of the human female at the hands of the male of the species is matchless throughout the animal kingdom. At the advent of Islam, when Christianity was the dominant philosophy, degradation of women had reached its peak.

Entered the *Quran* with a resounding claim that the prevailing notions about women are fabrications of the male mind. They have absolutely nothing to do with reality. Men and women are equally human. "Your Preserver created you from one living being" (4/1). The biological difference between male and female is of function not of status. They have equal potential as human beings. *Sura Ahzab* says: "Both men and women can:

1. Submit completely to the will of *Allah*,
2. be members of the group which is convinced of the validity of Allah's laws to ensure universal peace,
3. preserve and use their capabilities in the Divine Cause,

4. practically prove their commitment to *Allah's* program,
5. be steadfast,
6. improve themselves progressively working for *Allah's* plan,
7. sacrifice for others,
8. exercise self-control
9. put their sexuality under *Allah's* program,
10. remember always *Allah's* plan and laws,

.

Allah promises for them safety of protection and a great reward!" (33/35)

Thus covering each and every aspect of human life, the *Quran* announces: "And whoever does good deeds -- male or female --, and is convinced of the Divine Message, shall enter Paradise with none of their deeds going waste!" (4/124). Regarding marital life, the *Quran* treats them absolutely equally as far rights and responsibilities are concerned (ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف). The only exception is that, after a divorce or the death of a partner, the male may remarry immediately while the female has to undergo a period of waiting. The reason is very clearly biological -- pregnancy.

Purpose of Marriage

It is interesting to note the purpose of marital union put forward by the *Quran:* "So that it breeds calmness, closeness and benevolence between you. In it there is truth for those who care to ponder" (30/21). Obviously, there can be no mutual love and peace of mind if a marital union is based upon the notion of one partner's superiority and dominance over the other. As far as *Quran* is concerned, equality is the rule regarding men and women.

But later, as had happened with religions before, Muslims abandoned the *Quran*. Consequently, wrong notions about the female of the human species infiltrated and eventually became part of the Muslim philosophy. The technique employed to achieve this was, as I have previously mentioned, fabricated traditions of the Messenger of Allah (Mohammad), the most prominent champion of equality of human rights.

For example, borrowing from Old Testament, Ibn *Kathir* wrote in his commentary on the *Quran:*

> 'True Tradition has it that woman is created out of (man's) rib. Since the top-most rib is the most curved, it can only break if you try to straighten it. So, you can use it to your benefit only with the curve there.'

The Authentic Collection By *Bokhari* reports from *Abu Huraira:* 'The Messenger of Allah said: "If the children of Israel were not created, meat would never rot; if Eve was not created no wife would betray her husband!" Another report in *Bokhari* says: 'The Messenger said, "After I am no more, no problem will be more damaging to men than women!" Yet another report says: 'The Messenger said, "Three things are ominous – woman, home and horse" *(Bokhari; Book of Marriage*). The Book of Prophets in *Bokhari* reports the Messenger as saying: 'When I visited Paradise, I found the majority to have been the poor; in Hell the majority were women."

Men are *QAWWAMOON* over Women

Such fabricated traditions are also to be found aplenty as far as marital life is concerned. They put a husband as an absolute ruler over his wife. Such fabrication was supported by certain *Quranic* verses, suitably interpreted, of course. A well-known example is the famous verse from *Sura Al-Nisa* (4/34) which is traditionally translated as: 'Men are controllers of women'. The Arabic term *'Qawwamoon'* really means those who provide a sustainable and suitable environment. The verse in question should, therefore, be interpreted as: 'As women have to spend a considerable amount of their time and energy in bearing and rearing children, men should take on the responsibility of providing the necessities of life'. It is simply division of labor.

It may be interesting to see the background which is traditionally reported for this particular verse. Under the common practice of recording 'the background of revelation', it has been reported that: 'A woman complained to the Messenger that her husband had slapped her. The Messenger had barely finished delivering his ruling of retribution when this verse was revealed, forcing him to cancel his decision!' Another Tradition says:

> The Messenger said, "Don't hit your wives." Later, Omar came and said, "Your ruling has encouraged wives to be aggressive to their husbands." The Messenger permitted wife-beating which resulted in widespread application. Several women came and complained to the Messenger. He said, "It is not nice that you hit your wives." He wanted to get women the right of retribution but this verse was revealed upholding the ruling that husbands may beat their wives up because they are their lords.
>
> *Ash'as* reports: "I happened to visit Omar on one occasion. The couple quarreled, by chance. Omar hit his wife. Later, he said to me, "*Ash'as,*

> remember three points which I heard from the Messenger and have remembered to this day. One, never ask a husband why he hit his wife. Second, never forget to offer additional prayer *(witr)* before going to bed at night." The third point was forgotten by the reporter.

Going a step further, another Tradition reports the Messenger as saying: "If I could order prostration to anyone other than Allah, I would have ordered wives to prostrate (themselves in submission) in front of their husbands!"

Sayings attributed to *Ali*

Statements of a similar nature have been attributed to *Ali,* the fourth Caliph (successor of Muhammad), in the well-known book *Nahaj-al-Belaagha. Ali* is reported to have said: "O people! Women have faulty beliefs and reason and have less than full share. (Therefore) Keep away from women of loose character, and be careful even of good women! Don't carry out their instructions even in fair matters so that they don't expect you to comply in unfair situations." Elsewhere, Ali is reported to have said, "The female is like a nice well-behaved scorpion – enjoyable to live with but stings whenever she can!" Another statement of his is: "Woman is all evil. A bigger evil is that one cannot be without her!" Interestingly there can be found Traditions of a contrasting nature. For example, it is reported that the Messenger said, "Paradise lies under the feet of one's mother."

Such Traditions were fabricated in the monarchical era (mainly the *Abbasid* period) of Muslim history. It was the time when women were treated as a commodity. *Ahmed Ameen,* the Egyptian, writes in *Daha-el-Islam:*

> Baghdad had commerce of slaves (men and women). One particular market place was known as *Share-Dar-alRafiq* (the Slave Market Street). Traders of slaves were known as *nakkaas*, a term originally used for cattle traders. They worked under an offical inspector known as *Qayyam-ar-Rafiq*. Caliph *Mutawakkil's* harem had 4000 temporary concubines.

The Persians learnt the philosophy of mysticism from Christians, passing it on to Muslim mystics, who in the manner of Christian monks and *Hindu jogis*, adopted a life of celibacy because the female was believed to be the source of all evil. *Ali Hajveri* (a highly respected mystic, popularly known as *Daata Ganj Baksh*) writes:

> 'The very first evil to befall Man in Paradise originated from Woman. The very first evil to appear on Earth (the squabble of Cain and Abel) occurred because of a woman. When Allah wanted to punish the two angels *Haroot* and *Maroot*, that, too, was because of a woman. Even today, all religious as well as worldly problems occur because of women!'

Civilized Societies of Today

It is no wonder, therefore, that the arrival of a baby girl is not exactly exhilarating for the family, and she herself is plagued by a permanent inferiority complex. It is tragic that, despite our claims of being advanced in education and civilization, the despicable situation of maltreatment of the female continues. The age-old tradition of dowry in many Oriental societies is a case in point. Furthermore, according to the prevalent, so-called *Sharia* Laws, the husband retains the right of divorcing the wife quite easily at any time he deems convenient for himself. Contrarily, the wife has to go through an excruciatingly humiliating legal process which they often consider to be more painful than their unsuccessful married life! Even when a woman succeeds in getting free from the shackles of such a marital contract, the simple basic question of existence for the rest of her life stares her squarely and icily in the face. In addition to being financial, the question is also of protection of honor. In most societies even today, a man's patronage is considered essential for a woman's protection. Even when a woman does manage to live without male protection, she is under constant threat of ostracization if the evil elements of society spread rumors about her morals. Kidnappings and rapes are common occurrences. The *Quran* very eloquently referred to the ignorant Arab practice of burying alive their infant baby girls by asking: "What will your reply when that child will be asked on the Day of Judgment: 'Why were you killed?'" (81/9). Today's girls may well ask that from Allah Himself! I have had several young girls and women putting to me the unanswerable query: "Why did Allah made me a female?" "What did my brother do to deserve the better life form of a boy?" Trying to answer this query, the Hindu philosophy put the blame on one's previous sinful life. The Muslim theological answer is: 'It is entirely Allah's own unquestionable will to make a person male or female or bestow an honorific life or strip one of it.' The Hindu philosophy does not blame *Brahama* (the Supreme God) whereas the Muslim philosophy does! The Muslim *'God'* appears to be unjust and unfair!

Erroneous Examples from Nature

The religionists attempt to support their stand with some examples from Nature where animals are not allowed to question the choice of their sex or species, etc. But such examples should not be applied to the human situation. No animal is concerned with, or even conscious of, status, humiliation, respect, etc. Man is self-aware as well as sensitive. The *Quran* declares Man (both men and women) to be respectable by birth (17/70). A just God simply could not create the two sexes with different status; He declares: "We are not unjust to Our people!" (50/29). In actuality, it is us humans who have created for ourselves unjust, unfair and unequal societies. In a *Quranic* society, the female will not feel, and will not be, inferior to the male. The biological difference between the sexes is for performing various complimentary natural functions. This difference does not affect their human status at all. Status in a *Quranic* society shall be determined by the quality of one's performance (46/19),

man or woman (3/194)! The natural biological difference should not be a source of jealousy, or even envy (4/32-35). The *Quran* aims to put a permanent end to partisan human societies, patriarchy or matriarchy, and create a society on the basis of absolute equality of opportunities, rights, responsibilities and merit of performance.

Male and Female Offspring

Verses 49 and 50 of *Sura* 42 in this regard use the phrase (من يشاء) and the term (قدير). If (من يشاء) is to be interpreted in the traditional mode to mean 'to whom He wants' it should be in agreement with the view of an absolutely equal status of the sexes. Taking the *Quranic* position of equality of sexes, the phrase means 'according to His plan (مشيئة), i.e., natural laws of conception, fertility, pregnancy and so on. Infertility, for example, is mentioned in the case of Messenger *Zakaria's* wife who got treated and was cured before she gave birth to a boy (John) (21/90). Treatment of sterility is fairly common in today's medically advanced world.

Extensive medical research is being done in the era of fetal sex. *Sura Aal-e-Imran* says: "He is the One who gives you shape in wombs according to His plan" (3/5). Scientists now know how the sex of a baby is determined by Nature. Next, they are trying to discover ways of controlling the process in a way which enables us to choose the sex of a fetus. This ability of Man to discover Nature and use it to his advantage was referred to by the *Quran* in (2/31). That is what is meant by 'angels bowing to Man (2/34), i. e., Man can harness the forces of Nature because it is so permanent (30/30).

Thus, Man is gradually becoming the master of his own destiny.

==========

ECONOMIC SYSTEM OF THE HOLY QURAN

By
G.A. Parwez®
Translated By:
Dr. Mir Mustafa Husain, India.

========

(King) Mahmood and (his slave) Ayaz (high and low) stood up uniformly equal in rank in one and the same row; there remained neither any benefactor nor any beneficiary;
The subordinates, the superiors, the indigent and the rich all became but one community;
When they joined Islamic Social Order (and the Divine Programme for unification of human kind in obedience to the laws of Allah enunciated in the Quran became one.

========

It is well known that the Holy Quran is the Book revealed by Allah to His last Prophet Mohammad (S), as a perfect code of life for mankind. In the presence of the Final Divine revelation, the world needs no other code of life. The Quran claims that it will fulfil the responsibility of guiding the whole mankind for all times, for all levels, and in all places. At no point of time it gives a negative answer that it does not have for the solution of problems of mankind. If one takes this as a claim even in a cursory way, it will become clear that this Divine Book, code of life, provides a balanced economic system which as and when put into practice, will certainly solve all the economic problems of mankind in the most satisfactory manner. As a result of this, the living world becomes a real welfare State. Similarly when its teachings are followed truly and sincerely, these will ensure Paradise in this life and life in Hereafter. This paper briefly presents the Economic System of the Holy Quran.

It may be mentioned further that the Quran is not a book containing religious advice and counsel nor the one that teaches the rituals of worship. It is a perfect code of life and a practical guide in every walk of life, enabling man to formulate a system that ensures the right type of quality life. Among the evolutionary stages through which life has passed and attained the present level (of human existence), where in

the physical system of life i.e. the growth and development of the body has an outstanding significance. The fact is that every code of ethics and civilization, all precepts and counsels, exigency of every religion, prayers and rituals of *shariyat,* rights and duties of an individual and community, and for that matter every kind of guidance is for the living human beings only. The dead person the (corpse of a human being) can neither a Momin (Believer) nor an Kafir (Unbeliever), neither an innocent nor a sinner. It is devoid of all kinds of responsibilities, rights, and duties. According to the Holy Quran human living physique and body are so precious that whosoever unjustly killed an innocent living being it is as bad as if he has killed the entire mankind. And if a one has saved even one human life, it is as good as if he had saved the entire mankind (5:32). This is the reason why the Quran has prescribed the most severe punishment for a murderer (4:92-93). It is evident that when human life possesses so much significance, it could be imagined as to how much important will be those ways and means upon which life depends. The Holy Quran has termed these ways and means of life as *"rizq"* (sustenance) and now in popular parlance it is called 'bread'. Discussions related to 'bread' are called the Economics and the science of economy i.e. livelihood. How much significance the Quran attaches to the problem of bread could be seen through the fact that in the beginning of the Holy Quran itself (i.e. the Sura *Al Fatihah* – the first surah in its opening) the Muslims have been taught the prayer: "Show us the straight way, the way of those on whom thou hast bestowed Thy Grace." (1:5-6).

Yet in another place in Surah *Al Nahl,* it is shown that peace and abundance of sustenance are the favours of Allah whereas hunger and terror are Allah's chastisements (16:112). The privileges of Adam's paradise', described by the Quran, are such that neither hunger nor thirst will cause any problem, nor will he be deprived of clothing and shelter over there (20:118). Also, every human being, wherever he may be, will get his sustenance in abundance (2:35; 7:19). In Surah *TaHa,* it is stated clearly: 'Whosoever turns away from Our laws, his sustenance will be narrowed down'. It has also been clarified that a person whose sustenance is squeezed, he shall be raised blind on the Day of Judgement too (20:124). Yet in another place, the Quran says that whosoever is 'blind' in this world will be 'blind' in the Hereafter too (17:72). In surah *Al Maidah* it is said: Had the Jews and the Christians have followed the Torah and the Bible they would have been given abundant sustenance from earth and heaven (5:66) i.e. the doors of blessings from earth and heaven should have been indeed opened out to them (7:96).

Prayer of Prophet Abraham:

The significance of sustenance could also be judged from the prayer of Prophet Abraham that when he completed the construction of the building called *Kaba* – 'First House of Allah on earth' – standing in the sacred mosque, he made his first prayer to Allah saying: O sustainer of all creations! Make this habitat a sanctuary

for the oppressed people of the world (95:3), and grant the bounties of life abundantly (14:37). This prayer of Prophet Abraham has been repeated in Surah *Ibrahim* also too (14:37). The people of Makkah have been reminded as to how Allah had kept them in peace and security against fear, and how the sustenance flowed in abundance from all directions (28:57; 106:4).

Introductory Principles:

From these explanations, it is clear as to how much emphasis Quran lays on the problem of sustenance (i.e. bread). Its importance could be realized from the fact that it has not confined its guidance just to a few theoretical instructions. On the other hand, it has provided a comprehensive, and practical plan of action. To get a clear understanding of this plan, it is necessary to understand some fundamental points. Ignoring these points creates such complications on account of which the same economic system is considered as exactly Islamic by one group of people; and the other group thinks it not just *Kufr* (denial) but *Kufr-e-azeem* (Total denial). The basic point is that – the first addressee of the Holy Quran was a nation, which had a system exactly opposite to the system that Holy Quran ordained. Obviously it was not possible to replace overnight a system prevailing since time immemorial, by a new and totally different system. To achieve this objective in particular a fundamental change was to be brought about in the minds of those people at whose hands this new system was to take share. The Quran has brought about this change in a span of **twenty-three** years, and thereby guided the people to the new system slowly and gradually, in a phased manner – and that was the prime object of the teachings of the Holy Book. A disorder can be brought about overnight whereas it takes a long time and gradual approach for any revolution to fructify. For understanding the economic system proposed by the Quran, one has to move along-with those gradual chain links and by joining them reach the destination.

Another significant point to be noted is that the Quran given in compiled form to the *Ummat* is not in its chronological order of revelation: It does not mean that the first *surah* (chapter) or *ayat* (verse) which was revealed first has been placed as the first and the last *surah* or *ayat* revealed occupies the last place. An in depth study of the Holy Book also reveals that the present arrangement (sequence) is not only the best suited and the most ideal sequence. It was absolutely essential also especially when this last scripture has to remain and serve forever as a complete and practical code of guidance for the entire mankind. Now a question arises as to how the chain links can be arranged so that it takes its system from the starting point to its stage of completion. By appearance, this matter looks difficult but, in-fact it is not so. If the Quran is studied in depth and with an insight all those links can be joined easily from the last and the final link to the first link of the system without any difficulty or hesitation. If the Holy Quran is studied in this manner, and by the said approach, the

pathways become much easy. It can be judged well through those links, which are being presented here.

Landmark:

The Holy Quran has, clearly fixed, the landmark for the destination to which it wants to take us gradually. This land mark has been explained in the first verse of Surah *Al Fatiha* in these words: (*"Alhamdu lillahe Rabbil aalameen"* (1:1) "Praise be to Allah, the Cherisher and Sustainer of the worlds"; (1:1).

The reason for Allah's worthiness of praise and appreciation is that He has provided material for maintenance, growth and development for all the creations of the universe, which is called *Rububiyat-e-aalameeni* (sustenance for both worlds). It is this arrangement which—an impossibility for any one except Allah in the past, present, and future (35:3). How this *rububiyat* (system of sustenance) is operative in the external world is the question, which is out of purview for the present. About living organisms on our (earth) planet, the Holy Book says: 'There is no living being on the face of earth for whom means of sustenance has not been provided by Allah. (11:6). About human beings, He has clearly said: We are responsible for providing sustenance for them as well as for their children'. (6:152; 17:31; 29:60). But, simultaneously it is also made clear: 'With this, is should not be taken that We deliver the sustenance directly to every human being, not at all'. (36:47). This responsibility of Ours is fulfilled at the hand of human beings. And that human order, which fulfils this responsibility of Allah, is called Islamic State, and this system of His, is called Economic System of the Quran. It means that the State, Which claims to have been established in the name of Allah, is responsible to provide sustenance for all the individuals of the society. Now let us have a look at the links of the chain by joining of which this system gradually reaches its completion.

FIRST STAGE

Individual life:

With the revelation of the Quran, voice was raised against that system which was tied up by the chains of capitalism. In this society, on one side, there are the intoxicated by their wealth, and on the other side there are destitutes deprived of even bread for their night meals. In this society, first of all, an appeal was made to the wealthy persons to arrange for the 'bread' of those destitutes and indigents who became totally incapable of arranging sustenance for themselves. The rich were told that if they did not arrange sustenance for the poor and the destitutes, Allah's chastisement will surround them (69:34-35; 76:8-10).

Individual appeal:

At present, the chastisement for ignoring the poor is not to be discussed in detail as to whether it is in this life or in the life of the Hereafter, but they were told if

they do not change the present state of affairs in the society under which most of the people were deprived of their basic needs, such a disorder will occur in the country that their respect would go to dust, then they would be out of their senses and ask why such a thing has happened? The unchanging law of Nature will show them that this has happened due to the facts that the criteria for their honour and respect was abundance of wealth and majority of gang. Amongst the people there, whosoever remained solitary, was not worthy of respect; and whose running business got static due to some accident, neither the wealthy arranged for his sustenance nor persuade others to help him (89:17-20). Among them, those accepted the new call of revolution by our preach came forward and responded positively and resolved to be his friends and companions are called *Jamat-e-Momineen.* They were also informed that if they have joined this 'new voice', they have to shoulder a great responsibility, and that they will have to arrange sustenance for the poor, the orphans, and captives, and this will be without any desire for praise and expectation any return (76:8-9). This is a very stiff and steep valley to climb (90:11-16). The one who does not act accordingly will falsify his claim for faith *(iman)* (107:1-3). It will be the test for the truthfulness of their claim for faith *(iman)* to give for the fulfilment of the needs of the poor and the destitute. The Quran calls it *"sadaqah"* (alm).

***Sadaqaat* (alms):**

Rising above the relationship ties of his kith and kin, one should take up and fulfil the wants of every needy person (2:215; 30:38); and without such attitude whomsoever he is helping, feels himself burdened by his obligation for the whole of life; nor whatever is given should be made public to satisfy his own pride. This should be done as an obligatory service to humanity. Deceitful wisdom will tell the person that when he thinks of spending upon others: 'Why should we spend our money upon others without an expression of obligation by them nor attaining popular in the society?' It should be explained that whatever was spent by this way will not go waste. We should try to understand by taking the example of a farmer sows seeds in the soil, yet those do not go waste. In return for each every seed the farmer gets hundreds of grains. With such (seeds) charities *(sadaqaat)*, foundation of such a society will be laid wherein the human rights will be protected, and they will be saved from any disaster an obvious result of human unevenness (2:261-76; 14:31).

Reforms in goods and wealth:

At this first stage, the Holy Quran has persuaded and induced individuals to fulfil requirements of the needy, and told them about the incentives and simultaneously instructed them to bring reforms in money matters when it says: 'Do not eat away others' money unlawfully, (2:188; 4:29). In this connection it is made clear that religious leaders and priests devour others' property; therefore do not give them anything, and that they should work to earn their living (9:34). Protect the property of the orphans (4:6; 6:153; 17:34). If women earn something, men should

not become unjustified owners of their property. A lady will be the owner of her earnings and a man will be the owner of his earnings (4:32). It was insisted on to reduce to writing money matters and financial transactions (2:282). If the debtor is penniless give him time till it becomes convenient for him to repay the loan, and if he is not in a position to pay back the loan, then fore go the loan (2:280). One must prepare a will (testament) for the distribution of his bequeathed property (2:180; 5:106). Under a situation wherein the deceased could not execute a will, or his will could not cover his bequeathed property, then the in testate property be distributed as per the commands of the Quran in this respect (4:7, 11-12). According to these commands, wealth gets distributed in smaller parts rather than being centralised at one place. In sales and purchases or relations between employer and labourers, it was insisted upon that there should be fair dealings; measures and weights should be exact; and good quality material must be sold to the purchaser for the price paid by him. Wages should be given to labourer as per rules and agreed terms (6:153; 7:85; 11:84; 17:35; 83:1-3).

Agricultural reform:

Agricultural economy was not in existence (particularly in Makkah). At this stage, therefore, much emphasis was laid upon reforms in business transactions. In respect of agricultural reforms, it was said: Whatever you earn from your land by your labour, give a part of it to fulfil requirements of the needy (2:267). This has been called the 'Right of Allah' (6:142). (Why this has been called so will be discussed in detail little later). As it was said in case of charities: If you do not fulfil the needs of the poor and the destitutes, a dissension will breakout in the society, and it will turn down your positions of honour and respect, similarly in case of land, it was said: If you have not given the 'Right of Allah' to the poor and the needy, every grain of your crop will be burnt to ashes (18:32-44; 68:17-33), and even your children too will face severe disaster, (2:266).

SECOND STAGE

Move towards collective life:

In the first stage, emphasis and instructions were focussed on individuals. During that period, those who got convinced by the truthfulness of the call gathered around the Preacher of Revolution (the Holy Prophet (S)) and thereby a distinct society started to emerge. This was the second stage of the programme. At this stage, the steps taken were from individual life to collective form of life ism form. During the first stage, the individuals were asked to help the poor and the needy at their own will and pleasure and this was interpreted as *sadaqaat.*

Collective administration of *sadaqaat*:

Now it was commanded to collect *sadaqaat*. Since the Central Authority of this system the most generous Prophet (S) being the Head of the Islamic State, was asked to collect the charities *(sadaqaat)* himself (9:103), and to spend the items thus collected, for the welfare of the society as detailed in Surah *Al Tawbah* (9:60). [The beneficiaries of expenditure are: (1) the poor, (2) the needy, (3) those employed to administer the funds, (4) persons whose hearts have been (recently) reconciled (to the Truth), (5) those in the bondage, (6) the indebted, (7) in the cause of Allah, and (8) the wayfarers. These items of expenditure for *sadaqqat,* have been mistaken for *zakaat* (Description of *zakaat* will come later). It was stated earlier that giving credit to the persons in need, and for its repayment convenience of the debtor has to be considered. Now it is commanded: 'Give credit to Allah'. (57:18; 73:20) i.e., 'When the Central Authority of your system [i.e. the Generous Prophet (S)] appeals for fulfilment of any common need, whatever is possible by anyone, that should be given to him. The Central Authority will spend this 'loan' towards items for your protection, and after sometime, when your society becomes strong and this new system gets fully established, then whatever you have given now as loan 'to Allah', you will get this back completely.' (8:60). But at this moment if you show miserliness, then you will destroyed; therefore do not purchase destruction by your own hand.' (2:195). What kind of this destruction or extinction will it be? You will get erased, and your place will be taken up by some other nation, which will not be like you (47:38). The passion of individual selfishness (called temptation of the devil or evil apprehensions) will allure you to keep your money with you; to help you in need (2:268). But you should not fall prey to such evil temptations. The disorder which develops in the society due to unevenness the individual assets do not help at all or protect them. Those who think so (that our money will save us from disaster), and render to others the same evil counsel, disasters and destructions will overtake their homes (4:37; 57:24; 92:8-9). Remember! Whatever you give away for the benefits of humanity, will not only give you protection, it will also make you grow and develop further (92:18). Your physical growth and development and also that of your self which infact is the final goal and the main objective for the efforts and struggle of your present life. Growth and development of human self is termed as 'Nearness to Allah' because this makes the attributes of Allah exhibited in man (within human limits). This 'Nearness to Allah' is not achieved by accumulation of wealth; this nerves is achieved by 'Presenting the wealth to Allah' (34:37). Undoubtedly like women and children, there is love and attraction towards goods and wealth too (3:14).

Reforms in the system of goods and wealth:

When love of women and children dominates the common benefits of humanity, these women and children, and goods and wealth will become a 'trial' for you (64:15). Therefore you should not become a victim of individual selfish interest.

This will bring you success (64:16-17). Accumulating riches individually, you should not think that you have fulfilled the responsibility of commulative cooperation with the society. You think you have become self-sufficient. No, absolutely not. Whosoever thinks so, he is bound to be destroyed (92:7,8-11).

Rights of the needy and destitute:

In the first stage, an appeal had been made to help the needy persons, those who do not ask you anything as their right: You have to give them something as help. But now it is ordained that the needy persons have their right in your goods and wealth i.e. they can take as of right on the basis of their needs (51:19, 70:24-25). If you yourselves do not give them their right, then the society will arrange to get their right from you.

It is seen that at this stage, the position of *sadaqaat* did not remain as that of *khairaat,* it became the right of the needy persons. The man who takes something as a charity feels it as an obligation, and in the person who gives it, a feeling of *ehsaan* (fulfilment of an obligation) develops. But when a thing is taken as one's right, this will neither make the receiver to have an inferiority complex nor the giver will have a superiority complex developed in him.

Booty:

For Arabs, booty was a very big source of income, and in their society it was customary that during war whatever was seized from the enemy, it used to become the soldier's property. The Holy Quran brought a reform in this practice also and said: 'The booty will not be individual's property. This should be deposited with the 'centre'. The 'centre' will apportion a part of it for collective needs, and the rest will be distributed among the soldiers (8:1,41). With this single change, not only the position of this source of income became collective but the spirit of motivation of war also got changed. Earlier the spirit of action of war was to get the booty, whatever one could take it away. Now the spirit turned into the protection of human rights. In the Quranic terminology this is called *"Qital fi sabeelillah"*—war in the path of Allah. It could be noted that whatever is done in the interest of mankind, free of any wages or remuneration, the Quran calls it *"fi sabeelillah"* (in the path of Allah).

Accumulation of wealth:

Wealth can serve its purpose when it is in a mobile state only. The very word *Doulat* (wealth) means the state of mobility. But the lust for money hoards it up instead of keeping it mobile: Consequently the entire economic system of the society gets upside down. The Holy Quran has emphatically stated that accumulation and boarding of wealth is the most heinous crime. It fuels the flames of the fire of hell and the wealth and its accumulators will get scorched and burnt therein (9:34-35). These flames will engulf the hearts of these persons (104:2-7). Despite their efforts to

escape from it, it pulls them and destroys everything like the flow of lava from a volcano (70:5-18).

In connection with the mobility of wealth, it was also explained that its flow should not be restricted to the affluent class only. It should circulate into the entire body of the society as blood circulates in the entire human body (59:7).

***Riba* (usury) is a war against Quranic system:**

After many severe warnings against accumulation of wealth, the Holy Quran has issued such a commandment, which has totally uprooted the satanic purpose and evil motive for accumulation of wealth. Money is a means of exchange for essential commodities. It does not produce anything by itself. This could be understood by an example. If one hundred-rupee coins are kept in a box and taken out even after a period of ten years, the amount will remain the same without any increase in it. If the capacity of money is such that it remains the same, without having any increase in its number, it is obvious that accumulating and leaving the money as it is, will be a stupidity. If you give the same one hundred rupees to someone on interest, it will bring some money along with it on its return. Now in this way your money has produced more money. The money which was produced by money and not by labour is called by the Quran as *"riba"*. The Quran has very clearly stated about *riba* that it is an unlawful and forbidden serious crime, a crime which is regarded as a rebellion against the Islamic system. The Holy Book has warned those persons who have established *riba* system that they should take it as proclamation of war from Our side (2:275-79). By way of argument, it says that on account of *riba*, undoubtedly assets of an individual will increase but the consequences of this economic system will yield so many disaster our results that ultimately public wealth gets reduced drastically. One section of the people, by becoming wrongful owner of others' labour, becomes loser of the innate capability of action and gets devoid of human dutifulness, and the other section becomes poor and destitute being deprived of the fruits of its own labour; and due to this, in the beginning the fire of hatred and revenge against humanity gets kindled, and at last it annihilates (3:129-30j).

It may be noted that the Holy Quran has not just said that *riba* is that what is taken from a needy person over and above the money given as loan. It has categorically stated: 'You invest money with that of others' with a purpose to get more than what was added is also *riba*, (30:34). IN the present day terminology it is named as commercial interest—its also includes share cropping, and rent of land. The fundamental principal it has given is *"Laisa lill insane e illa ms'a"* (53:39)—compensation is for labour and not for capital; return for capital is *riba*, in whatever form it may be. By declaring *riba* as unlawful, the Quran has disbanded the motive and objective of wealth accumulation.

Next step pertaining to land:

In the human economy, the problem of land has been made unnecessarily complicated whereas the matter is so obvious and clear that it needs neither the mind of Plato nor the logic of Aristotle to understand. Allah, while calling Himself *"Al Hai"* (Living) has also called Himself *"Al Qayyum"* (Self-subsisting and Eternal). This means when He has given life, He has also given all the means of livelihood. For maintenance of life, are required light, heat, air, water, and food. He has made available all these things before the creation of man. Light, heat, air, and water are usually available on the earth surface. About food, He said its reserves are in the earth.

"And We have provided therein means of subsistence—for you and for those for whose sustenance ye are not responsible". (15:20). You can imagine that the Quran has used the word *"ma'eshat"* for the produce from land. He has said: 'Eat it yourselves and feed your livestock too.' (20:54). Yet at another place the Book has called this *"mata'ann lakum wa ana mekum"* (79:33; 80:32) i.e. provision for you and your cattle.

Just now it has been said that, land and other means of subsistence existed on earth before the creation of man. Now viewed from any angle and rule of any law based on justice, can anyone be held as an owner of these resources of subsistence (heat, light, air, water, and land) which should be available indiscriminately for the life's sustenance. Today you can say that you have purchased this piece of land from such and such person, or you got it from your father by way of inheritance. You go on inverting this sequence and reach that person who had first claimed this land as his own property; you can imagine that from whom he had purchased this, or from whom he had inherited? Obviously he got this fraudulently. Hence how it could be lawful for him or for his successors subsequently to hold it under their possession? From among the means of subsistence, someone becoming owner of any of these means is a major offence against humanity when it was made as a means of subsistence for the human kind. This injustice and wrangle was existing by usage or by law from time immemorial. The Holy Quran has put forth sound arguments to erase it from the human mind. It has addressed the Believers: 'When you accept the authority and power of Allah 'over the skies', why don't you acknowledge His Divine authority over the land too? Remember as He is the Sole Authority over the skies, He is the Sole Authority on the earth as well. *"Howallazi fissama'e Ilahun wa filarde Ilahun"* (43:84). (And He it is Whose Laws in the heavens i.e. outer universe and in the earth i.e. human society). At another place the Book says: *"Wa Howallaho fis samawate wa fil arde"* "And He is Allah in the heavens and on the earth." (6:3). He has explicitly stated that it is an open paganism to accept one god over the Heaven and another god on the earth (21:21-22). In Surah *Al Nahl* it is stated: 'Do not take two gods; He is the only One: *"Lahu ma fis samawat e wal ard";* Whatever is found in the skies and on the earth belongs to Him only (16:51-52). Therefore do not make

human beings equal to Allah by giving them ownership of landed areas (2:22). Its owner could only be that authority who has created them, and made them source of subsistence for all living beings (29:60-61). After giving such clear arguments, He said: 'O Prophet (S)! now you ask them that the land and what all is therein belong to whom? But its reply should be given based on knowledge. Then after He said: 'If they make use of knowledge and insight, they have to say that all these belong to Allah'. Tell them that when they themselves admit that all these belong to Allah, then why do they avoid to face the reality that no human being can be the owner of land? (23:84-85). If you admit this reality, then the produce from land will be lawful and good for you to eat, otherwise you will be moving on the footsteps of Satan who has whispered in your ears that you too can become the owner of food resources (2:168).

Compensation of labour:

It has been stated earlier that there is a difference between land and, light, heat, air, and water. The last four resources existed in their usable form whereas food has to be produced from the land at the expense of labour. At different places, the Holy Quran has elaborated in a beautiful way, that your share in the produce acquired from land is to the extent of labour you have spent in the process of production and the rest is the 'Right of Allah'. For example, you consider that you have taken land on share-cropping basis from a landlord, and when you cultivate that land, you take a part of the produce yourselves and the rest you give to the landlord (whom you consider the owner of the land). According to this rule, in farming, you take your share and give to Allah the share of His ownership. In verses 63 to 73 of Surah *Al Waqi'ah*, this reality has been described in a very beautiful manner. This is given below and needs full attention:

For this purpose, you just think carefully over the system according to which your upbringing growth, and development has taken place. Does all this happen according to the laws of Divine or as per the laws framed by you? For example in the cultivation of crops, how much is the role played by you and how much is played by the Divine law. You prepare the land and sow the seed. Tell us Who turns the seed into a crop? Whether you do this or Our laws do all this?

Thereafter it is said:

When the crop is grownup who protects? It is also possible that any calamity may occur and the flourishing crop is destroyed totally that you may helplessly say to each other: 'We are destroyed; we are totally deprived of everything, We are the unfortunate. Leave aside grain from the crop, our labour and seed have gone waste.'

Then just think of water on which depends not only your farming, but your own survival. Do you make the rainfall to occur from clouds or Our law of subsistence performs it?

(Clouds develop from sea-water which is so saline that it can neither be used for drinking nor for irrigation of crops.) Think for a while that if the rain water would have remained saline, what would you had done? It is strange that you do not consider such simple, straight, and clear matter to draw correct conclusion. Why don't you evaluate and appreciate the system Allah has set for growth and development.

Similarly, consider about lighted fire and the purposes it serves. How many purposes does it serve on litting? Tell us whether conserved energy is concealed in the branches of green trees and the flames into their dry stems-latent flames in the grass veins-is your workmanship or the craftsmanship of Our laws?

Consequent to this statement of realities, it is emphasized to seriously think over the functioning of the universal machinery engaged in producing means of subsistence according to law controlled by the Divine Authority. Then think of how much is your share and how much is the share of Allah in this Divine programme? Viewed from any angle, you will draw the conclusion that in all these matters your share is to the extent of your labour, and the rest is that of the Divine system. Therefore, your rightful share in the wealth in produced (material for subsistence), could be commensurate only to your labour on it. You cannot become an absolute owner of the entire produce. All these means of production exist by themselves. These are neither made by you nor purchased by you.

These facts remind you that Allah has made them as material for subsistence for hunger-stricken people.

It means: 'In this entire business, labour is yours and the means of production are Ours. Therefore, you keep with you the share of your labour in the form of means of subsistence and give us Our share'. The question arises as to how should we consign Your 'share' to You? The reply is: 'Deliver this to those who, by themselves, are incapable of getting the means of subsistence. (56:73). 'When these means of subsistence are received by them, it is that the same has reached Us.' This reality has also been described in Quranic verses (27:21; 67:30; 80:24-32).

After its establishment the Islamic system took practical steps in the light of these Quranic clarifications and those who held the ownership of land 'free of limit and extent', started limiting (fixing the limits of) their landed property. Obviously for this purpose, the criteria should be that the land area that remains with a person will be that much which produces the quantity of the crop produce sufficient for maintenance of the producer and his family, and thereby it initiated an action plan to abolish private ownership on land.

Land ceiling:

In Surah *Al Ra'd*, it is said that an idea struck the mind of the preacher of Revolution the Holy Prophet (S): 'Whether the revolution for which I have spent my whole life, will be accomplished in my life time or not?' He replied: 'You do not bother yourself whether this will be fulfilled during this life of yours or otherwise, you have to see that this Message is publicised. It will meet its fulfilment either during you worldly life or otherwise. Don't you see how We are limiting and reducing the land and its area from the big landholders". This is Our verdict (that their ownership on land shall be terminated), and no power on earth can invert Our verdict. Very soon We will call them to account' (13:41).

In Surah *Al Anbiya'*, it is said: 'They and their ancestors got the land to produce means of livelihood. With the lapse of time they established their adverse possession. Now We are gradually withdrawing it from their hands. Our programme will get accomplished undoubtedly. They will not win over Us' (21:44). In the power achieved due to landlordism, there is an indication that it will be abolished.

This way, He has actually initiated establishment of this system in the second stage.

THIRD STAGE

Accomplishment of the work:

We are now entering the third and final stage of this programme. Now the Islamic State is established, and to fulfil Allah's promise of *Rububiyyat e a'alamini* (i.e. to provide sustenance material to all) has been assumed by the Islamic State.

Valid reason for establishing Islamic State:

This alone was the valid reason for establishment of the Islamic State (as mentioned above). In Surah *Al Hajj,* it is stated: 'They (the *momineen)* are those who, if We establish them in power in the land, will fulfil the responsibility of establishing the system of *salat* and *zakat*.' (22:41). This graceful verse elaborates in most explicit way the justification and responsibilities of Islamic State. It is stated that the duty of the Islamic State is to establish the system of *salat* and provide *zakat*. Establishment of Salat system is a separate subject, discussions are restricted to *"Eeta-e-zakat"* as this is the subject for the present study. *Eeta-e-zakat* means 'providing *zakat'*. In this respect the Quran has said that the duty or responsibility of Islamic State is 'to provide *zakat*'. This point needs very careful attention. The meaning of *zakat*, generally considered, is that specific percentage of money which a rich person takes out from his wealth or assets, and the duty of the government is said to collect such money and to spend it on fixed items of expenditure. As per the common usage, the duty of the government is to collect money from people, whereas the Quranic verse (22:41), quoted above, states that the duty of the Islamic government is 'to give *zakat*'. The meaning of *zakat* taken as the specific amount a rich i.e. an eligible

person *(saheb-e-nisaab)* takes out from his wealth, has not come anywhere in the Holy Quran, nor there is any mention of the items of expenditure of *zakat* (whereas the meaning of *zakat* is 'growth and development)'. Therefore *"Eeta-e-zakat"* means to provide material for growth and development for mankind and thereby that responsibility of universal *Rububiyyat* and *Razzakiyat,* which Allah Himself has taken, be fulfilled. How such a great responsibility will be fulfilled has been given by the Quran in detail and with very much explicity, and this is called **'the economic system of Quran'.**

Covenant with Allah:

In this connection, first of all, it is to be understood that whosoever becomes member of the Islamic society (i.e. when he becomes a Muslim), he has to 'sign an agreement' whose wordings are: "Allah hath purchased of the Believers their persons and their goods; for theirs (in return) is the Garden (of paradise)." (9:111). That is whoever becomes member of this society, he 'vends' his goods and soul to Allah; and in lieu of this Allah grants him paradise. In practice, obviously, this transaction is done with the Islamic State (48:10), and thereby a Momin's life and possessions go under the custody of the Islamic system. In lieu of this, he gets paradisic life in this world and the Paradise in the Hereafter; and Allah has made this promise at several places (in the Quran). Therefore, under the Islamic system, there will not be the ownership of any individual over goods which become Allah's property (24:33).

Variance of capability:

The Quran accepts that different individuals possess different capabilities of earning livelihood—different as well as more and less also. The details of the subject as to how difference in capabilities of individuals develops and how this difference could be minimised are again beyond the scope of the present study. At this stage accepting the fact that difference in capabilities among individuals exists, discussions will be restricted to projecting the Quranic view point in this regard. The Quran says that due to variations in the capabilities, different affairs of the society are accomplished easily (43:32). But (it says): 'Keep the variance restricted only to this limit, and do not create economic unevenness by this.' The Quran has, therefore, explicitly explained in Surah *Al Nahl,* in connection with 'earning the livelihood' that difference exists in the capabilities of individuals. But such difference does not mean that those who posses capability of earning more should withhold their earning with them, considering it as their own property. They should return their surplus earning to those subordinates by whose cooperation and assistance their earning increased so much. People do not agree to this and say: 'How strange is this? On account of this, superiors and inferiors—all will become equal. People who say so get into self deception that the higher capability they possessed was their own creation. This is absolutely wrong. Basically this capability is not the creation of their own, this is the gift given by Allah, and this is the one they got without paying any compensation (16:53,71).

Qarunism (capitalism):

The Quran says that Qarun (whom the Book projects as a representative of capitalism) was also under the same deception when he said: 'This has been given to me because of certain knowledge I have'. (28:78). 'My material goods and wealth are by virtue of my knowledge and capability. Why should I give it to others?' The Quran says that this mentality is the main root of evil and the cause of disorderliness (39:49). Yet at another place the Book says that when a person having this kind of mentality is asked: 'Don't you feel and think that one day you have to be in front of Allah, and you will be questioned about the other pleasant gifted by Him'. (102:8). Then (although he does not believe in this kind of interrogation, but for the sake of self-deception or deceiving others) he says: 'Out of my wealth, I give little in charity 'for the sake of Allah'. I am sure, in lieu of this I will get the same pleasants in the Hereafter too, what I am enjoying in this world.' The Quran says that this kind of thinking is *kufr* (unbelieving) and it results in gravious chastisement (41:50).

***"Qulil afwa"* ("what is beyond your needs)."):**

After explaining all this, the Holy Quran has given that judgement which has solved this problem absolutely and permanently. It is said in Surah *Al Baqarah:* 'O Prophet (S)! these people ask you that they should be informed categorically as to what share they have for themselves and what is for others in their earnings.' It is informed: "What is beyond your needs." (2:219). Tell them: 'Your share is only to the extent of fulfilling your needs. The entire remaining portion is to fulfil the needs of others in need.' Even in case when others' need is more pressing than that of yours, then you should prefer others' needs over yours'. (59:9).

This *(quill afwa)* command has solved the problem absolutely and forever. Due to this, there did not remain any surplus money with anybody, and when there did not remain any surplus money, then the problems and disasters rising due to economic unevenness came to an end. The difference between the creditor and the debtor, the house owner and the tenant, the landlord and the tenant, the industrialist and the labourer, and the rich and the poor ended. And thus in the words of Iqbal:

The land issue:

We have seen earlier that the Holy Quran has elaborated the reality that the question of private ownership on land does not arise. This is the source of obtaining sustenance for all human beings (rather all the living beings) (55:10). Therefore the arrangement thus made should be such that this food resource should remain equally open to fulfil the needs of all needy persons. This is a gift from Allah for all human beings (41:40). And that thing which all the human beings got as gift, no one has got any right to 'put a gate' to it and fix up the boundaries as 'mine and thine' (17:20).Those, who hold up for themselves these 'streams of sustenance' which have to flow like running water so that the needy persons could fulfil their needs without any obstructions, they, inspite of being claimants of possessors of *Deen*, give the lie to it practically. Their prayers are thrown at their faces. It could be imagined in how much thought provoking manner the Quran has described this reality: 'Have you noted the one who denies the *Deen*., 'This is the person who repulses the orphan.' 'Neither he himself arranges nor encourages others feeding of the indigent.' 'He thinks that by performing prayers he is fulfilling the duties of the *Deen'* This is self-deception. For such worshippers the result of their prayers is disaster-they are

unaware of the reality of *salat*, and remain ignorant of its aims and objectives. They think that perceptual and visible exposition of rituals is *salat* they just perform these rituals, and withhold the means of sustenance which should have flown like running stream (107:1-7). Is it not giving the lie to the *Deen*? The Holy Quran has so nicely elaborated the position of land in the light of historical evidence of the people of Thamud that there did not remain entanglement of any kind.

(To be continued)